احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ
منہاج القرآن
لاہور

نومبر 2013ء

عظمتِ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم اور شہادتِ امام حسین رضی اللہ عنہ

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہمہ صفت خلیفہ راشد مثالی نظامِ حکومت

تاجدارِ ختم نبوت و مقام مصطفیٰ ﷺ انٹرنیشنل سُنی کانفرنس (برطانیہ)

تاجدارِ ختم نبوت ﷺ کانفرنس (دربار عالیہ گولڑہ شریف) محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی خصوصی شرکت و خطاب

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

بفیضان نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز
زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

جلد 27 شمارہ 9 محرم ۱۴۳۵ھ نومبر 2013ء

www.facebook.com/minhajulquran
www.minhaj.info Info@minhaj.info

چیف ایڈیٹر
ڈاکٹر علی اکبر قادری الازہری

ایڈیٹر
محمد یوسف

اسسٹنٹ ایڈیٹر
محمد طاہر معین

مجلس مشاورت
صاحبزادہ فیض الرحمٰن درانی، خرم نواز گنڈاپور
شیخ زاہد فیاض، جی ایم ملک، سرفراز احمد خان
حاجی منظور حسین مشہدی، غلام مرتضیٰ علوی
قاضی فیض الاسلام، راضیہ نوید

مجلس ادارت
علامہ محمد معراج الاسلام، مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی
پروفیسر محمد نصر اللہ معینی، ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم
گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری
معاون طباعت: محمد ارشد
عکاسی: محمود الاسلام قاضی

حسن ترتیب

اداریہ۔ معاشرتی بے راہ روی اور اسکے اسباب	چیف ایڈیٹر	4
(القرآن)۔ عظمتِ اہل بیتؑ اور شہادتِ حضرت امام حسینؑ	ڈاکٹر محمد طاہر القادری	6
(الفقہ) آپ کے دینی مسائل	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	17
حضرت عمر فاروقؓ بہ صفت خلیفۂ راشد مثالی نظامِ حکومت	عمر تلمسانیؒ	20
امامِ عالی مقام اور مشاہیر عالم کا اخراجِ عقیدت	منیر احمد ملک	29
عہدِ حاضر کا انسان پریشان کیوں؟	احسان حسن ساحر	34
مثبت و با مقصد معاشرہ کی تعمیر کا اہم عامل باہمی تعاون	شفاقت علی شیخ	39
شیخ الاسلام کی انٹرنیشنل سنی کانفرنس میں شرکت	رپورٹ	46
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی تاجدارِ ختم نبوت کانفرنس میں شرکت	رپورٹ	48
ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کا دورۂ یورپ	رپورٹ	50
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کے مختلف شہروں کے دورہ جات	رپورٹ	53

قیمت فی شمارہ: 25 روپے
سالانہ زرتعاون: 250 روپے

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ و ریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 01970014575103 حبیب بینک منہاج القرآن برانچ ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان

فون: UAN: 111-140-140 فیکس: 35168184

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

گناہگار پہ بارانِ جُود کیا کہنے
حضورِ حق میں رکوع و سجود کیا کہنے

اُسی کی یاد میں غرقِ ثناء رہے میرا
یہ ناتواں یہ مکدّر وجود کیا کہنے

لہو میں رہ کے ہمیشہ بسا رہے دل میں
نـــفـــخـــت فی سے مری ہست و بود کیا کہنے

میں ایک بندۂ محتاج و بے نوا، وہ غنی
میں بھول جاؤں وفا، وہ ودود کیا کہنے

کہاں یہ بندۂ عاجز، کہاں یہ حرفِ ثناء
عطائے نگہِ کرم پر درود کیا کہنے

جو بے خودی میں درِ مصطفیٰ پہ لے جائے
فغانِ درد کی موجِ سرود کیا کہنے

اُسی کے نام سے رغبت، اُسی کے ذکر سے کام
یہ بے نیازیٔ نام و نمود کیا کہنے

(شیخ عبدالعزیز دباغ)

نعت بحضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یارسول اللہ کرم کی ہو نظر
مجھ فقیرِ پُر خطا کے حال پر
قیدِ فُرقت میں پڑی ہے زندگی
اے حبیبِ کبریا خیرالبشرؐ
اِذن ہو مجھ کو حضوری کا عطا
دے خبر یوں آپ کا پیغام بر
در پہ اپنے وہ بلاتے ہیں تجھے
جو کہ ہیں دونوں جہاں کے تاجور
باندھ کر رختِ سفر میں بھی چلوں
اور پڑھوں صلِ علیٰ ہر گام پر
داخلہ طیبہ میں ہو جب خیر سے
وجد میں آئیں مرے قلب و جگر
روضۂ اطہر پہ ہو جب حاضری
ہر طرف آئے نظر نورِ سحر
منہ سے حرفِ مدّعا نہ کہہ سکوں
ہو لبِ اظہار میری چشمِ تر
یوں زبانِ اشک ہو گویا حضورؐ
ہچکیوں پر ضبط ہو پائے اگر
مانگتے ہیں آپ سے خیراتِ نور
مہر و مہ بھی آپ کے دریوزہ گر
مختصر یہ عرض ہے میری شہاؐ
آپ کے در پر رہوں میں عمر بھر
پھر نہ ہمذالی خزاں ہرگز رہے
ہو بہارِ زیست ہر دم باثمر

(انجینئر اشفاق حسین ہمذالی)

معاشرتی بے راہ روی اور اسکے اسباب

پاکستان کے مسائل گھمبیر بھی ہیں اور کثیر بھی۔ وطن عزیز کی فضائیں ایک طرف دہشت گردی کے حادثات سے خون آلود ہیں اور دوسری طرف بلوچستان کے کچھ اضلاع میں زلزلے نے تباہی مچادی ہے۔ بھارت کی طرف سے سرحدی خلاف ورزیاں جنگ کے خطرات بھی بڑھا رہی ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر مصلحت آمیز سیاست اور عوام دشمن حکومتوں کے سبب مہنگائی کا سیلاب امڈا چلا آ رہا ہے۔ جس نے سماجی، تعلیمی، قانونی اور عائلی نظام میں منفی اثرات مرتب کردیئے ہیں۔ ان تمام مسائل کے ساتھ پاکستانی معاشرے میں بے راہ روی تیزی سے بڑھ رہی ہے جس کے نتیجے میں معصوم بچیوں کے ساتھ زیادتی کے واقعات میں آئے روز اضافہ ہو رہا ہے۔ درحقیقت ہم سماجی تعفن زدہ اور بیمار معاشرے میں جی رہے ہیں۔ معاشرے جب اخلاقی بگاڑ کا شکار ہوتے ہیں تو زندگی کا ہر شعبہ اس کے زیرِ اثر آجاتا ہے۔ اس لئے جب تک ان کوتاہیوں اور خامیوں پر توجہ نہیں ہوگی ان کے اثرات سے بچنا محال ہوگا۔ معاشرتی بگاڑ کا یہ مرض کسی مخصوص طبقے، علاقے یا ماحول کا مسئلہ نہیں بلکہ اجتماعی نوعیت کا دردِ سر ہے۔ بے راہ روی اور گمراہی کے اسباب ہر جگہ کم و بیش ایک جیسے ہیں۔ اس معاشرتی بگاڑ کے عمومی اسباب و عوامل کچھ اس طرح ہیں:

☆ افراد کی ذہنی اور روحانی تربیت کی ذمہ داری مذہبی شخصیات اور اداروں پر عائد ہوتی ہے۔ مسجد اور مکتب اسلامی معاشرے میں اس تربیت کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ فی زمانہ بوجوہ یہ تربیت گاہیں غیر موثر ہو رہی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ شاید علماء و مشائخ کی حقیقی ذمہ داریوں سے عدم دلچسپی ہے۔ اکثر علماء کرام فرقہ پرستی اور سیاست کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ ان کے دل و دماغ میں محراب و منبر سے وابستہ ذمہ داریوں کی بجائے مادی فوائد کے حامل ادارے اہمیت اختیار کر چکے ہیں۔

☆ معاشرتی تعمیر یا بگاڑ میں خاندانی ماحول براہ راست کردار ادا کرتا ہے۔ اہل فکر ونظر جانتے ہیں کہ ہمارا خاندانی نظام مغربی تہذیب و ثقافت کی چکا چوند نے تباہی سے دوچار کردیا ہے۔ جوائنٹ فیملی سسٹم میں برداشت، مساوات اور تحمل برقرار رہے تو یہ بہت مفید ماحول فراہم کرسکتا ہے۔ بڑے بزرگ جس ڈھب سے بچوں کی تادیب اور تربیت کرتے تھے آج کل اس کا تصور بھی نہیں۔ تکلفات اور بڑھتے ہوئے معاشی بحران نے والدین کو صبح سے شام تک مصروف کردیا ہے۔ ان کے پاس بچوں کی تربیت اور مناسب تعلیم کے لئے وقت ہی نہیں ہوتا۔

☆ اسی طرح تیسرا بڑا شعبہ اساتذہ کرام اور تعلیمی اداروں کا ہے۔ اساتذہ نئی نسل کے سامنے آئیڈیل ہوتے ہیں۔ پہلے دور میں اساتذہ بچوں کو عبادت سمجھ کر تعلیم دیتے تھے۔ اس لئے ان کی تربیت اور نیک خصلت کی حوصلہ افزائی ان کا مطمع نظر ہوتا تھا۔ اب سارے کا سارا معاملہ مادی بن چکا ہے۔ تربیت اور خاص طور پر روحانی تربیت کا پہلو ان اداروں میں بھی نظر انداز ہو رہا ہے جس سے طبیعت میں عاجزی اور نرمی کی بجائے دہشت اور کبر و نخوت جنم لے رہی ہے۔

☆ انسان سازی اور تربیتی تقاضوں کا اہتمام اگر والدین، علماء اور اساتذہ کماحقہ نہ کرسکیں تو پھر ریاست کو اس کی ذمہ داری لینی چاہئے۔ ہماری حکومتوں کو سیاسی رسہ کشیوں اور لوٹ مار سے وقت ہی نہیں بچتا ورنہ سرکاری تعلیمی اداروں کی موجودہ تباہی اس حد تک نہ ہوتی۔ پھر میڈیا بے ہنگم اور بے جہت ہے۔ اس میں مادر پدر آزادی دے دی گئی ہے۔ ''ریٹنگ'' کی دوڑ میں ہر طرف ہیجان آمیز اشتہارات، ڈرامے اور ڈائیلاگ دیکھنے اور سننے کو ملتے ہیں۔ عریانی فحاشی کی جو کسر رہتی تھی وہ انٹرنیٹ نے پوری کردی ہے۔ اس وقت ہمارے معاشرے کا بڑا مسئلہ مادی تعیّشات کے لئے جائز و ناجائز وسائل اور ذرائع کا استعمال ہے۔ حالانکہ ہماری مذہبی اور دینی تعلیمات ہمیں اعتدال سکھاتی ہیں مگر ان تعلیمات کی روح پر عمل کون کرے گا؟ انسانی تربیت آسان کام نہیں وہ بھی اس دورِ فتن میں۔ اس لئے قرآن وسنت کی تعلیم حقیقی روح کے ساتھ ضروری ہے۔ اس کی ذمہ داری کسی ایک فرد یا ادارے پر عائد نہیں ہوتی بلکہ والدین، معاشرہ اور ریاست سارے اس کے ذمہ دار ہیں۔ جب والدین، علماء اور اساتذہ اپنی بنیادی ذمہ داریاں پوری نہیں کریں گے تو نوجوان نسل سے مثبت نتائج کی توقع کیسے وابستہ کی جاسکتی ہے؟

قیام امن کیلئے مذاکرات کی ضرورت اور تقاضے

عالم اسلام بالعموم اور وطن عزیز پاکستان بالخصوص جن جان لیوا مسائل میں گھرا ہوا ہے ان میں ایک اہم مسئلہ مذہبی انتہا پسندی بھی ہے۔ انتہا پسندی کسی بھی شکل میں ہو وہ باعث ہلاکت ہوتی ہے۔ قرآن نے امت مسلمہ کی اہم ترین خصوصیت امت وسط بیان کی ہے۔ وسط کے مفہوم میں اعتدال اور میانہ روی شامل ہیں۔ ایک مشہور حدیث مبارکہ ہے ’’**خیر الامور اوسطھا**‘‘ یعنی اعتدال اور میانہ روی پر مبنی امور ہی سراپا خیرو برکت ہیں۔

اعتدال انسانی فطرت اور نفسیات کے عین مطابق ہے جبکہ شدت میں زبردستی، زورآوری اور دباؤ کا عنصر شامل ہوتا ہے جسے انسانی سرشت بالعموم قبول نہیں کرتی اور اگر انسان پر کوئی چیز زبردستی تھوپ دی جائے تو اس کے نتائج ہمیشہ منفی نکلتے ہیں۔ اللہ تعالٰی نے لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ فرما کر اپنے پسندیدہ دین اسلام کی خوبی بھی یہی بیان کی ہے کہ اس میں کوئی عمل بھی زبردستی نہیں ٹھونسا گیا۔ اسلامی تعلیمات عقائد و معاملات اور عبادات سب کے سب فطرت سلیمہ کے عین مطابق ہیں۔ فرائض اور واجبات کی ادائیگی میں بھی انسان کا اپنا جسمانی یا روحانی، دنیوی یا اخروی فائدہ مضمر ہے۔ جہاں تک اسلام کے حدود وتعزیرات پر مبنی قوانین کا تعلق ہے جس کے تحت کچھ سزاؤں کا تعین کیا گیا ہے تو ان تعزیرات کی سب سے بڑی حکمت بھی یہ ہے کہ اسلام ان سزاؤں کے ذریعے سوسائٹی میں لوگوں کی جان، مال، عزت اور آبرو کی حفاظت کی ضمانت فراہم کرنا چاہتا ہے۔ اسلام کے فلسفہ جہاد میں بھی یہی حکمت پوشیدہ ہے کہ وہ انسانی معاشرے میں فتنہ انگیزی اور فساد کے دروازے بند کرنا چاہتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض مسلمانوں نے مختلف ادوار میں ’’جہاد‘‘ کو ذاتی مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ آج بھی عرب وعجم میں کچھ ادارے، تنظیمیں اور گروہ اس مقدس فریضے کو اس کے فلسفے کے برعکس استعمال کرتے نظر آتے ہیں۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ یہ لوگ اسلام دشمن بیرونی قوتوں کے ہاتھوں استعمال بھی ہورہے ہیں اور وہ ان کے ذریعے اپنے مکروہ مقاصد کے حصول میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔

پاکستان آرمی کے خلاف نبرد آزما مختلف عسکری گروہوں کا بنیادی مسئلہ یہی ہے کہ یہ لوگ بوجوہ ہتھیار اٹھا کر ایک ایسی مسلمان ریاست کو کمزور کررہے ہیں جو کلمہ طیبہ کے نام پر وجود میں آئی تھی۔ جس کا دستور اور آئین متفقہ طور پر تمام مذہبی اور سیاسی جماعتوں نے منظور کیا۔ اس میں کوئی جز بھی اسلامی نظام کی روح کے خلاف نہیں۔ ہاں یہ حقیقت ہے کہ اس آئین کو نافذ کرنے میں مصلحت بیں حکومتوں نے تسلسل کے ساتھ مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ کیا ہے لیکن اس کا علاج یہ نہیں کہ یہ لوگ ریاست کے وجود اور اس کے تمام اداروں کو غیر اسلامی کہہ کر اس پر حملہ آور ہوجائیں۔ پاکستان کے آئین کے تحت کسی قسم کے مذاکرات سے نہ صرف صاف انکار کرتے نظر آتے ہیں بلکہ اپنے روایتی فکر کے مطابق پاکستان کے نظام سیاست وتجارت، تعلیم اور معاشرتی ڈھانچے کو کافرانہ کہہ کر اپنی جہادی کارروائیوں کو جائز بھی قرار دیتے ہیں۔

گذشتہ ماہ پاکستان کی اکثر سیاسی و مذہبی جماعتوں کے متفقہ فیصلے کے مطابق قیام امن کے لئے ان مسلح گروہوں سے مذاکرات کا فیصلہ کیا گیا تھا مگر ہمیں دونوں طرف سے کوئی احساس ذمہ داری یا سنجیدگی دکھائی نہیں دے رہی۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کی سرزمین خون آلود منظر پیش کر رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ دہشت گردی و انتہاء پسندی کی صورت میں ہم پر مسلط اس ظلم کا خاتمہ کب ہوگا۔۔۔؟ اس کے پیچھے کون سے ہاتھ ہیں۔۔۔؟ انہیں کب اور کیسے روکا جائے گا۔۔۔؟ کیا یہ سلسلہ ہوس پرست سیاستدانوں کی مجرمانہ غفلت کا نتیجہ ہے یا فرقہ پرست مذہبی ذہنوں کا پروردہ۔۔۔؟ اس کے پیچھے عالمی گریٹ گیم کام کر رہی ہے یا پڑوسی ’’مہربانوں‘‘ کی تاریخی عصبیت۔۔۔؟ کیا یہ کیا دھرا ابلیسی تکون کے ایجنٹوں کا ہے یا وہی عاقبت نااندیش جنونی مذہبی عناصر اس کے ذمہ دار ہیں؟ الغرض سوالوں کا ایک خوفناک سلسلہ ہے جو ہر ذہن کو پریشان کیے ہوئے ہے۔ دہشت گردی کا جن پوری طاقت کے ساتھ ہماری معیشت، معاشرت اور ذہنی امن وسکون کو نگل رہا ہے۔ اس وحشت سے چھٹکارہ جتنا جلدی ممکن ہو حاصل کرنا ہماری بقاء کی ضرورت بن چکا ہے۔ درندہ صفت مکار، ڈھیٹ اور جاہل دشمن سے جنگ کے تمام محاذوں پر مستعد ہونے کی ضرورت ہے۔ مذاکرات ضرور کریں مگر ملک کی سلامتی کو داؤ پر لگانے کی قیمت پر نہیں۔

ڈاکٹر علی اکبر قادری

القرآن

عظمتِ اہل بیت رضی اللہ عنہم اور شہادتِ حضرت امام حسین علیہ السلام

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب ☆

مرتبہ: محمد یوسف منہاجین/ معاون: محمد طاہر معین

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا. (الاحزاب:۳۳)

"پس اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے (رسول ﷺ کے) اہلِ بیت تم سے ہر قسم کے گناہ کا مَیل (اور شک و نقص کی گرد تک) دُور کر دے اور تمہیں (کامل) طہارت سے نواز کر بالکل پاک صاف کر دے"۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ. جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ. وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ. (ابراہیم: ۲۸ تا ۳۰)

"کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمتِ (ایمان) کو کفر سے بدل ڈالا اور انہوں نے اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتار دیا۔ (وہ) دوزخ ہے جس میں جھونکے جائیں گے، اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ اور انہوں نے اللہ کے لیے شریک بنا ڈالے تاکہ وہ (لوگوں کو) اس کی راہ سے بہکائیں۔ فرما دیجیے: تم (چند روزہ) فائدہ اٹھا لو بے شک تمہارا انجام آگ ہی کی طرف (جانا) ہے۔"

مذکورہ آیاتِ مبارکہ میں سے اول الذکر آیتِ کریمہ میں اللہ رب العزت نے شانِ اہل بیت کا ذکر فرمایا ہے اور مابعد آیاتِ مبارکہ میں اہل بیت کے دشمنوں کے حال کو بیان فرمایا ہے۔ آیئے! ان دونوں موضوعات کا قرآن و حدیث کی روشنی میں قدرے تفصیل سے مطالعہ کرتے ہیں:

طہارتِ اہل بیت

قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ جس حکم کو تاکید کے ساتھ سمجھانا، لوگوں تک پہنچانا، اور حکم کے اندر بیان کئے گئے امر کا کمال درجہ کے ساتھ اظہار اور افہام مقصود ہو یا جس فعل وامر کا حکم دیا جا رہا ہے اس کا نہایت ہی اعلیٰ درجہ مقصود ہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس فعل کے ساتھ اس کے مصدر کو بھی (منصوباً) تکرار کے ساتھ بیان فرماتا ہے۔ قرآن مجید میں ایسا اسلوب کثرت کے ساتھ اختیار نہیں کیا گیا بلکہ بہت کم جگہوں پر اختیار کیا گیا ہے۔ ایسا صرف اسی وقت ہوتا ہے جب اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس مقام پر اس امر کے بہت ہی اعلیٰ درجے کا اظہارِ بیان اور حکم مقصود ہوتا ہے۔

آیئے! قرآن مجید سے اس کی مثالیں دیکھتے ہیں:

حضور ﷺ کی اطاعت، تحکیم، حکومت اور حاکمیت پر ایمان لانے، اس کا اقرار کرنے کے لئے اور آپ ﷺ کے ہر حکم کے سامنے سرِتسلیم خم کرنے کے لئے

☆ (خطاب نمبر Gc:71)، (CD نمبر 845) (19 جنوری 2008ء)

جب حکم ارشاد فرمایا تو اس کا اسلوب ایسا رکھا کہ کوئی مجالِ انکار، کوئی راہِ فرار اور کوئی گنجائش چون و چراں نہ رہے۔ ارشادفرمایا:

فَـلَا وَرَبِّكَ لَا يُـؤْمِـنُـوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا. (النساء:٦٥)

’’پس (اے حبیب!) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپ کو حاکم بنالیں پھر اس فیصلہ سے جو آپ صادر فرما دیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور (آپ کے حکم کو) بخوشی پوری فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں‘‘۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اطاعت و پیروی کے تمام احکام دیئے کہ آپ ﷺ کو حاکم اور حکم بھی مان لیں۔۔۔ آپ کے فیصلے کو حتمی مانتے ہوئے دل و جاں سے تسلیم کریں۔۔۔ اور پھر اس تسلیم کے ساتھ دلوں اور طبیعتوں پر کوئی بوجھ بھی نہ رہے۔ اس حکم کی اطاعت چونکہ اللہ تعالیٰ بڑے ہی اعلیٰ، ارفع و اکمل اور اتم طریق پر چاہتا ہے، اونچے درجے کی اطاعت و غلامی چاہتا ہے کہ میری امت میرے محبوب کی اعلیٰ درجے کی غلامی اور اطاعت کرے۔ لہٰذا یہ سارے احکام صادر فرمانے کے بعد آخر پر پھر فرمادیا **ویسلمو تسلیما** کہ میرے محبوب کے احکام کو ایسے تسلیم کریں جیسے تسلیم کرنے کا حق ہوتا ہے۔

یعنی ان کے دماغ بھی، ان کے دل بھی، ان کی سوچیں بھی، ان کے فہم بھی، ان کے ارادے بھی، محبوب کے حکم کی دہلیز پر سجدہ ریز ہوجائیں۔

۲۔ اسی طرح جب اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ پر درود وسلام پڑھنے کا حکم دیا تو وہاں پھر اسی اسلوب کو اپنایا۔ ارشادفرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا. (الاحزاب:٥٦)

’’بے شک اللہ اور اس کے (سب) فرشتے نبیِّ (مکرمّ ﷺ) پر درود بھیجتے رہتے ہیں، اے ایمان والو! تم (بھی) اُن پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو‘‘۔

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ پر درود و سلام بھیجنے پر اپنا اور فرشتوں کا عمل بیان فرماتے ہوئے حکم دیا کہ **وسلموا تسلیما** اور سلام پڑھا کرو اس طرح جیسے سلام کا حق ہے۔ یعنی حق سلام بھی مطلوب ہے اور تکثیر بھی مقصود ہے۔ یعنی کثرت کے ساتھ سلام پڑھا کرو، بار بار سلام پڑھا کرو تاکہ اس عمل میں کوئی رکاوٹ بھی نہ آئے اور ختم بھی نہ ہونے پائے۔

یہی اسلوب اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور ﷺ کی اہلبیت کی طہارت کے بیان میں اپنایا ہے۔ ارشادفرمایا:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا. (الاحزاب:٣٣)

’’بس اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے (رسولؐ کے) اہل بیت تم سے ہر قسم کے گناہ کا مَیل (اور شک و نقص کی گرد تک) دُور کر دے اور تمہیں (کامل) طہارت سے نواز کر بالکل پاک صاف کر دے‘‘۔

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا ارادۂ محکم ظاہر فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہی ہے کہ وہ اپنے محبوب ﷺ کی اہلبیت کو پاک کردے۔ طاہرو مطہر کردے، ایسا پاک کردے کہ کوئی رجس نہ رہے، ان کی حیات مبارکہ اور سیرت طیبہ میں کوئی میل کچیل نہ رہے، اپنا ارادہ ظاہر فرمانے کے بعد فرمایا:

ویطھرکم تطھیرا اور وہ چاہتا ہے کہ ان کو ایسی طہارت دے کہ اس سے بہتر کائنات انسانی میں طہارت کا کوئی درجہ متصور نہ ہوسکے، وہم و گمان میں بھی نہ آسکے اور اتنی کثرت کے ساتھ بے حساب اور بے شمار

طہارت عطا کردے کہ کوئی اس طہارت کا حصار بھی نہ کرسکے اور نہ ہی اپنے شمار میں لاسکے۔

گویا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اطاعت اور درود و سلام کے باب میں جو اسلوب اپنے محبوب ﷺ کے لئے اپنایا، وہی اسلوب اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی اہلبیت کی طہارت کے بیان کے باب میں بھی اپنایا ہے۔

مذکورہ آیت اور اس سے ماقبل آیات سورہ احزاب ۲۸ تا ۳۲ میں يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ... اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ... يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ... وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ... يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ کے الفاظ کے ذریعے حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کو مخاطب کیا گیا۔ مذکورہ آیت مبارکہ میں بھی پہلے انہی کو خطاب کیا جارہا تھا مگر آیت کے دوسرے حصہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے اہل بیت میں سے مزید تخصیص کی گئی اور حضور ﷺ کی اہلبیت کے لئے جن کو طہارت کا اعلیٰ درجہ عطا کرنا مقصود ہے ان کا بیان کیا گیا۔ حدیث پاک نے اس حکم کی مزید وضاحت کردی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

أن رسول اللہ ﷺ كان يَمُرُّ بباب فاطمةَ ستةَ أشهر إذا خرج إلى صلاة الفجر، يقول: الصلاةَ! يا أهلَ البيت ﴿إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾

(ترمذی، الجامع الصحیح، ۵:۳۵۲، رقم:۳۲۰۶)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے چھ (۶) ماہ تک حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ معمول رہا کہ جب نمازِ فجر کے لئے نکلتے اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے دروازہ کے پاس سے گزرتے تو فرماتے: اے اہل بیت! نماز قائم کرو (اور پھر یہ آیتِ مبارکہ پڑھتے:)...... اے اہلِ بیت! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) آلودگی دُور کردے اور تم کو خوب پاک وصاف کردے۔''

اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ بھی اس آیت مبارکہ میں بیان کردہ اہلِ بیت کے تعین اور اُن کی طہارت کو واضح کررہی ہے۔ حضرت عمر بن ابی سلمہ فرماتے ہیں کہ

لما نزلت هذه الآية على النبى ﷺ (انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا). فى بيت ام سلمة، فدعا فاطمة حسنا و حسينا، فجللهم بكساء، وعلى خلف ظهره فجللهم بكساء، ثم قال: اللهم! هو لاء اهل بيتى، فاذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا.

''جب ام سلمہؓ کے گھر حضور نبی اکرم ﷺ پر یہ آیت ''اے اہل بیت! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے (ہر طرح) کی آلودگی دور کردے اور تم کو خوب پاک وصاف کردے'' نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے سیدہ فاطمہؓ اور حسنین کریمین سلام اللہ علیہم کو بلایا اور انہیں ایک کملی میں ڈھانپ لیا۔ علیؓ آپ ﷺ کے پیچھے تھے، آپ ﷺ نے انہیں بھی کملی میں ڈھانپ لیا، پھر فرمایا: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، پس ان سے ہر قسم کی آلودگی دور فرما اور انہیں خوب پاک وصاف کردے''۔

(ترمذی، الجامع الصحیح، ۵:۳۵۱، کتاب تفسیر القرآن، رقم:۳۲۰۵)

اس موقع پر ایک خاص بات بتانا چاہتا ہوں کہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ حافظ ابن کثیر نے 20 سے زائد احادیث صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث سے مکمل سند کے ساتھ اس بات کو ثابت کرنے کیلئے درج کی ہیں کہ اہل بیت اطہار سے مراد مولیٰ علی المرتضیٰؓ، سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ اور امامین سیدین کریمین سیدنا الحسن والحسین ہیں۔

یاد رہے کہ علامہ حافظ ابن کثیر، علامہ ابن تیمیہ کے شاگرد ہیں۔ ان کی کتاب ''تفسیر ابن کثیر'' تفسیر القرآن میں پورے عالم عرب، حرمین شریفین اور تمام جامعات میں درسی کتاب کے طور پر پڑھائی جاتی ہے۔ یہ تفسیر عالم عرب کے اندر معتمد ترین تفسیر سمجھی جاتی ہے۔ سعودی عرب میں حافظ ابن کثیر، ان کی مرویات اور ان کی

تفسیری روایات کو کمزور درجے کی کتاب یا کمزور درجے کی روایات نہیں سمجھا جاتا ہے۔

دشمنِ اہلِ بیت کس درجہ میں ہیں؟

مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے شان اہلبیت کا اظہار فرمایا اور اہلبیت کی قدر ومنزلت اور عظمت وتمکنت کو واضح کیا ہے۔ یہ ایک رخ ہے۔

دوسرا رخ یہ ہے کہ جو لوگ اہلبیت کے دشمن ہوئے، جنہوں نے حضور ﷺ اور آپ کی اہلبیت اطہار کو تکلیف دی، ان کا حال، ان کا مقام اور ان کا درجہ اللہ رب العزت کے نزدیک کیا ہے؟ اللہ رب العزت نے اس امر کو بھی قرآن مجید میں بیان فرمایا۔ ارشاد فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ. جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ. وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ. (ابراہیم: ۲۸ تا ۳۰)

”کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمتِ (ایمان) کو کفر سے بدل ڈالا اور انہوں نے اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتار دیا۔ (وہ) دوزخ ہے جس میں جھونکے جائیں گے، اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ اورانہوں نے اللہ کے لیے شریک بنا ڈالے تاکہ وہ (لوگوں کو) اس کی راہ سے بہکائیں۔ فرما دیجیے: تم (چند روزہ) فائدہ اٹھا لو بے شک تمہارا انجام آگ ہی کی طرف (جانا) ہے۔“

ان آیات کریمہ کے شان نزول میں مختلف اقوال ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس: فرماتے ہیں ان آیات کریمہ میں جمیع کفار کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی نعمت عظمیٰ سیدنا محمد مصطفی ﷺ کو ان میں مبعوث فرمایا۔ کفار نے اس نعمت پر اللہ کا شکر کرنے اور ایمان لانے کے بجائے اپنے لئے کفر کو اختیار کرلیا اور اس نعمت کو ٹھکرادیا جو اللہ نے انہیں عطا کی تھی۔

۲۔ حضرت علی المرتضیٰؓ: کے نزدیک اس سے مراد کفارِ قریش ہیں جو بدر کے موقع پر آقا علیہ السلام کے مدمقابل آکرلڑنے کے لئے کھڑے ہوگئے تھے۔

جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا، پہلے قول کے مطابق اس سے مراد جمیع کفار تھے۔ دوسرے قول میں قریش کو جمیع کفار میں سے خاص کردیا گیا اور تیسرے قول میں مزید تخصیص کردی۔

۳۔ حضرت عمر فاروقؓ: یہ قول اس سے مراد قریش میں سے فاجر ترین دو گروہ/ خاندان بنومغیرہ اور بنو امیہ ہیں۔ یعنی سب سے زیادہ فاسق و فاجر، سب سے زیادہ بدبخت، سب سے زیادہ نافرمان، اپنے ذہن میں فساد رکھنے والے تکبر، عناد اور عداوت رکھنے والے یہ دو گروہ ہیں، جنہوں نے اللہ کی نعمت ایمان کو کفر سے بدل دیا۔

اس قول کو مفسرین نے کثرت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان مفسرین میں امام ابن جریرؒ طبری، حافظ ابن کثیرؒ، امام جلال الدین سیوطیؒ، امام بغویؒ، امام حازمؒ، قرطبی، کشاف، مظہری، التفسیر الکبیر، الدرالمنثور، البحرالمحیط اور دیگر کئی مفسرین شامل ہیں، جنہوں نے بغیر کسی استثناء، اختلاف کے اس قول کو بیان کیا ہے۔ اس قول کو سیدنا علی المرتضیٰؓ نے بھی روایت کیا ہے۔

سیدنا علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد

هما الافجران من قريش بنو اميه و بنو مغيره

قریش میں سے فاجرترین گروہ بنومغیرہ اور بنو امیہ ہیں۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ جب ایسا لفظ آتا ہے تو اس کا اس قبیلہ/ خاندان کے ہر ہر فرد پر اطلاق نہیں ہوتا بلکہ بعض افراد مستثنیٰ بھی ہوتے ہیں۔ بنوامیہ میں بھی مستثنیٰ ہیں اور بنومغیرہ میں بھی مستثنیٰ ہیں۔ جس طرح بنو امیہ میں سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی ہوئے جنہیں خلفائے راشدین کے بعد خلافت راشدہ کے ساتھ متصل

کیا جاتا ہے۔ گویا استثنیٰ ہوتا ہے۔ پس اس قول سے بھی من حیث الکل بنو امیہ اور بنو مغیرہ مراد نہیں۔ بنومغیرہ نے بدر کے دن اپنا اور اپنی قوم کا ٹھکانہ جہنم بنالیا۔ بنو امیہ نے اُحد کے دن اپنا ٹھکانہ جہنم بنالیا۔ گویا اس آیت کریمہ میں بدر اور احد کے دن جو قریش سامنے آئے تھے اور اپنے اپنے لشکروں کی قیادت کررہے تھے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

یعنی دونوں قوموں میں اس قسم کے لوگ ہوئے اور رہے نیز بعدازاں بھی ان کے اعمال ایسے رہے کہ اللہ کی نعمتِ ایمان کو کفر سے بدلتے رہے لہذا ان کی مجموعی کیفیت کی طرف اشارہ قرآن مجید نے فرمادیا۔

چنانچہ امام ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے جسے حافظ ابن کثیر نے نقل کیا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں:

فاما بنو المغیرہ فاهلكوا یوم بدر.

بنومغیرہ یوم بدر میں ہلاک کردیئے گئے۔

واما بنو امیه فمتعوا الی حین

اور رہے بنوامیہ وہ اب تک دنیاوی متاع سے فائدہ اٹھارہے ہیں۔

یعنی بنو امیہ کو مہلت دی گئی اور وہ قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کے تحت اب تک دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہورہے ہیں۔

قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ. (ابراهيم:۳۰)

’’فرما دیجئے: تم (چند روزہ) فائدہ اٹھا لو بے شک تمہارا انجام آگ ہی کی طرف (جانا) ہے۔‘‘

اسی طرح امام سفیان ثوریؒ نے بھی بیان کیا ہے کہ ایسے لوگ جنہوں نے اللہ کی نعمتوں کو کفر سے بدل دیا، وہ دو برائی کے نشان گروہ ہیں:

هما الافجران من قریش بنو المغیرہ و بنو امیه.

اس قول کو بیان کرنے کے بعد سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں بنومغیرہ یوم بدر میں ہلاک کردیئے گئے اور بنو امیہ **فمتعوا الی حین** یعنی ایک طویل عرصے تک ان کو دنیاوی متاع، سلطنت اور مال و دولت سے مالا مال کیا گیا اور یہ اب تک اس سے لطف اندوز ہورہے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عمر فاروقؓ سے سوال کیا یاامیرالمومنین **الذین بدلوا نعمت الله کفرا** سے مراد کون لوگ ہیں؟ تو سیدنا فاروق اعظمؓ نے فرمایا:

هم الا فجران من قریش بنو امیه و بنو المغیرہ.

’’یہ قریش کے دو فاجر ترین گروہ بنومغیرہ اور بنو امیہ ہیں‘‘۔

سیدنا عمر فاروقؓ کے اس قول کو امام بغوی، امام ابن جریر، امام ابن ابی حاتم، امام طبرانی، امام حاکم نے بھی روایت کیا اور اس قول کی سند اور روایت کو صحیح کہا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ تفسیر مظہری میں بیان فرماتے ہیں کہ بنو امیہ نے اللہ کی نعمت ایمان کو کفر سے بدل دیا اور کفر کے ڈھیر میں دب گئے حتی کہ ان میں پھر ابوسفیانؓ، معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ مسلمان ہوئے اور اس گروہ میں سے مستثنیٰ ہوگئے۔

اس کے بعد بدبخت یزید جو ایمان میں داخل تھا اس نے کفر اختیار کرلیا۔ بنو امیہ میں ان تین شخصیتوں (حضرت ابوسفیانؓ، حضرت امیر معاویہؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ) کے ذریعے ایمان آگیا تھا اور اللہ کی نعمت ان کو مل گئی تھی تو پھر بدبخت یزید نے اللہ کی اس نعمت کو دوبارہ کفر میں بدل دیا۔ آل نبی ﷺ سے عداوت کی اور امام حسین علیہ السلام کو ظلم کے ساتھ شہید کیا اور اللہ کے دین سے کھلم کھلا بغاوت کا راستہ اپنایا۔ گویا اس آیت کریمہ کے مصداق کافر ہوگیا۔

یہ ساری عبارت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں بیان کی ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا شمار شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے عظیم تلامذہ میں ہوتا ہے۔

یزید کے کفر پر شہادت امام حسینؑ کے بعد اس کی اپنی گفتگو بھی دلالت کرتی ہے۔ جب امام حسین علیہ

السلام کو شہید کر دیا گیا اور امام عالی مقام کا سر انور اس بدبخت یزید کے سامنے آیا تو اس وقت اس نے شعر پڑھا:

ولست من جندب ان لم انتقم

من بنی احمد ما کان فعل

''احمد نے جو کچھ (ہمارے بزرگوں کے ساتھ بدر میں) کیا اگر احمد کی اولاد سے میں نے اس کا انتقام نہ لیا تو میں بنی جندب میں سے نہیں ہوں''۔

پھر اس نے حضور ﷺ کی آل اطہار کو (نعوذ باللہ) مزید برا بھلا کہہ کر کفر کا اظہار کیا۔

امام احمد بن حنبلؒ کا مشہور عالم فتویٰ ہے جسے بہت سے ائمہ نے بغیر اختلاف کے نقل کیا کہ امام احمد بن حنبلؒ سے ان کے بیٹے نے پوچھا آپ یزید کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کی:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّلَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا. (الاحزاب:۵۷)

پھر فرمایا: اس آیت کے تحت وہ بدبخت کافر ہوا، واصل جہنم ہوا اور مستحق لعنت ٹھہرا۔

قرآن میں عظمت اہل بیت کی دو سمتوں پر وضاحت

یہ دو الگ الگ سمتیں ہیں جنہیں قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔ ایک طرف اہل بیت اور ان کی قدرو منزلت کا بیان ہے اور دوسری طرف ان بدبختوں کا بیان ہے جنہوں نے اہل بیت نبوت کے ساتھ عداوت رکھی۔ ان کو شہید کیا اور پھر اللہ کی نعمتِ ایمان کو دوبارہ کفر کے ساتھ بدل دیا۔ اللہ کی نعمت کو کفر سے بدلنے کی بدبختی اس وقت اپنی انتہا کو پہنچی جس دن یزید نے امام عالی مقام کو شہید کرنے کا حکم دیا اور ابن زیاد کے زیر انتظام یزیدی افواج نے میدان کربلا میں سیدنا امام حسین علیہ السلام کو اور اہل بیت نبوت کے خانوادہ کو شہید کروایا۔

یہی وجہ ہے کہ اہلسنت کے تمام مکاتب فکر عرب وعجم میں خواہ وہ حنفی ہوں، شافعی ہوں، حنبلی ہوں یا مالکی ہوں، ان تمام کی معتبر کتاب شرح عقائد نسفی (جو درساً پڑھائی جاتی ہے) کے متن میں یزید کے بارے یہ عبارت درج ہے کہ

اذا امر بقتل الحسین فقد کفر فلنعة اللہ علیه و علی اعوانه وانصاره وملائکته الی یوم الدین.

''جب اس نے امام عالی مقام امام حسینؓ کو شہید کردینے کا حکم دے دیا سو وہ کافر ہوگیا۔ اس پر اللہ کی لعنت، اللہ کے رسول ﷺ کی لعنت، ملائکہ کی لعنت اور اس کے ساتھیوں پر لعنت، اس کے مددگاروں پر لعنت اور اس کے پیروکاروں پر لعنت اور قیامت تک یہ لعنت جاری رہے گی''۔

گویا اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں دونوں سمتوں کو بیان کیا۔ عظمت اہلبیت کو **یطھرکم تطھیرا** سے نوازا اور ان کے دشمنوں کی سمت کو **بدلوا نعمت اللہ کفرا** کے الفاظ سے بھی بیان فرمایا۔

حسینی شخصیت کی ایک جھلک

امام عالی مقام سیدنا امام حسینؓ کی ولادت شعبان ۴ھ کو ہوئی۔ آقا ﷺ کے وصال کے وقت آپ کی عمر مبارک 6 برس تھی۔ اسکے باوجود آپ راویان حدیث رسول ﷺ میں سے ہیں آقا ﷺ کی احادیث کو آپؓ نے براہ راست روایت کیا۔ بعض کم ظرف لوگوں نے ان کی نوعمری کے باعث ان کے مرتبہ صحابیت کو بھی کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ان لوگوں کی اہلبیت رسول ﷺ کے ساتھ حد درجہ جہالت، بغض و عداوت ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بغض وعناد اور عداوت ہے۔ یاد رہے کہ حدیث کی روایت کرنے میں چھ برس کی عمر ہونا مانع نہیں ہے۔ صحابہ نے وہ احادیث بھی روایت کی ہیں جو انہوں نے 5 برس کی عمر میں آقا علیہ السلام سے سنی تھیں۔ سیدنا امام حسینؓ نے جن شخصیات سے احادیث کو روایت کیا ان کے اسماء یہ ہیں:

۱۔حضور نبی اکرم ﷺ

۲۔حضرت سیدنا عمر فاروقؓ

۳۔حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ

۴۔والدہ ماجدہ سیدہ کائنات سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ

۵۔اپنی خالہ ہند بن ابی ہالہ

گویا امام عالی مقام امام حسینؓ نے خود حضور ﷺ، صحابہ کرام اور اہلبیت اطہار سے روایات کیں۔

اسی طرح اُن افراد کی بھی ایک فہرست ہے۔ جنہوں نے آپؓ سے احادیث سن کر آگے روایت کیں۔آپ سے روایات سُن کر آگے روایت کرنے والوں کے اسماء یہ ہیں:

۱۔آپ کے بڑے بھائی امام حسن مجتبیٰؓ

۲۔امام زید بن حسن (امام حسنؓ کے بیٹے)

۳۔امام سعید بن خالد الکوفیؒ

۴۔حضرت طلحہ بن عبیداللہ العقیلیؒ

۵۔حضرت عامر امام الشعبیؒ (جرح و تعدیل کے باب میں سند)

۶۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفانؓ

۷۔حضرت عکرمہؓ (جلیل القدر تابعی)

۸۔حضرت امام زین العابدینؓ ۹۔حضرت محمد الباقرؒ

۱۰۔حضرت سکینہ بنت حسینؓ ۱۱۔حضرت فاطمہ بنت حسینؓ

۱۲۔سنان بن ابی سنان الدوَلیؒ ۱۳۔حضرت عبید بن حنینؒ

۱۴۔حضرت عراق بن قریسؒ ۱۵۔حضرت کرز بن کرز التیمیؒ

۱۶۔یوسف بن میمون السباغؒ ۱۷۔حضرت سویر بن ابی فاختۃؒ

۱۸۔بشر بن غالب الاسدیؒ

یہ وہ سارے ائمہ حدیث ہیں جن سے صحاح ستہ کے ائمہ اور دیگر ائمہ نے اپنی اپنی سند کے ساتھ حدیثیں لی ہیں اور یہ تمام امام عالی مقام امام حسینؓ کے تلامذہ ہیں۔ اس سے امام حسین کا علم حدیث میں مقام کا اندازہ ہوتا ہے۔

امام عالی مقام سیدنا امام حسینؓ کی پرورش چونکہ براہ راست آغوش نبوت میں ہوئی اور آپ کو اپنی والدہ ماجدہ سیدہ طیبہ طاہرہ خاتون جنت فاطمۃ الزہراءؓ جیسی ماں کی مامتا اور امیر المومنین شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیسے باپ کی شفقت پدری نصیب ہوئی۔ سبحان اللہ اتنی اعلیٰ نسبتوں اور ارفع شخصیات سے نسبی اور تربیتی قرب نے حسنین کریمین کی سیرت کو چار چاند لگادیئے تھے۔ اس لئے آپ میں تقویٰ و طہارت عبادت گزاری، جودو سخا اور جرأت و شجاعت جیسی خوبیاں بھی بے مثال اور لاجواب تھیں۔

زبید بن بکارؒ اپنے چچا مصعب بن عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ

حج الحسين خمس وعشرين حجتاً ماشيا.

’’امام حسینؓ نے پیدل 25 حج کئے‘‘۔

سواری پر بھی کرسکتے تھے مگر یہ ان کے زہد و ورع، تقویٰ، مجاہدہ اور عبادت گزاری کی دلیل ہے کہ پیدل 25 حج اپنی حیات مبارکہ میں کئے تھے۔

شہادت امام حسینؓ۔ پس منظر و پیش منظر

شہادت سیدنا امام حسینؓ کا دیگر بہت سارے امتیازات کے ساتھ ساتھ یہ امتیاز بھی ہے کہ حضرت امام حسینؓ کی زندگی میں ہی آپؓ کی شہادت کی خبر ہر خاص و عام تک پہنچ چکی تھی۔ سیدنا امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی یہ خبر تاجدار کائنات ﷺ نے خود سیدہ عائشہ صدیقہؓ، حضرت ام سلمیٰؓ، حضرت انس ابن مالکؓ، حضرت اُم فضل بن حارثؓ، ابو امامہ الباہلیؓ، انس ابن حارثؓ، زینب بنت جحشؓ، مولا علیؓ شیر خدا کو دی اور پھر یہ خبر ان صحابہ کرام سے تابعین نے آگے دی۔ گویا شہادت کی یہ خبر آپ کو بھی معلوم تھی، اہلبیت اطہار اور صحابہ کرام کو بھی اس کا علم تھا۔

جب ماہ رجب میں حضرت امیر معاویہؓ کا وصال ہوگیا تو لوگوں نے یزید بد بخت کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یزید نے اسی وقت ولید بن عتبہ بن ابی سفیان (حضرت ابوسفیان کے بیٹے حضرت معاویہ ہیں اور ان کا بیٹا یزید ہے۔ حضرت ابوسفیان کا دوسرا بیٹا عتبہ تھا، عتبہ کا بیٹا ولید یزید کا عمزاد ہے) جو مدینہ کا گورنر تھا اس کو لکھا کہ سب لوگوں کو بلاؤ اور میری بیعت لو اور بیعت کی ابتداء حسین ابن علیؓ سے کی جائے۔

اس نے بلا کر آپ کو یزید کا پیغام دیا۔ حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ دونوں کو یہ پیغام پہنچا۔ آپؓ نے کہا کہ ہمیں آج رات کی مہلت دو۔ کل دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ رات کو امام عالی مقام اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حضور ﷺ کی قبر انور پر جاکر سلام عرض کیا اور شہر مدینہ چھوڑ کر حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کے گھر مکہ مکرمہ میں جاکر قیام کرنے کا فیصلہ فرمایا اور کربلا روانگی تک یہیں قیام پذیر رہے۔ جب آپ اہل کوفہ کے لگاتار اور پے درپے خطوط اور بعد ازاں حضرت امام مسلم بن عقیل کے حالات کے جائزہ لینے کے بعد کوفہ آنے کی تجویز پر کوفہ روانہ ہوئے تو اسی اثناء میں کوفہ کے حالات یکسر بدل گئے اور ابن زیاد نے گورنر کے طور پر ذمہ داری سنبھال لی۔ سیدنا امام حسینؓ کے قافلے کو عمرو بن سعد کی قیادت میں ایک لشکر نے روک لیا۔ آپؓ نے عمرو بن سعد کو فرمایا:

میں تمہارے سامنے تین باتیں رکھتا ہوں ان میں سے کوئی ایک قبول کرلو۔

۱۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ میرا راستہ نہ روکو، اسلام کے عظیم لشکر سرحدوں پر جو فتوحات میں مصروف ہیں اور جہاد کررہے ہیں، میں جاکر کسی لشکر میں شریک ہوکر جہاد میں بقیہ زندگی گزارتا ہوں۔

۲۔ دوسری صورت یہ کہ مجھے براہ راست یزید سے گفتگو کرنے دو، میں اس سے پوچھوں گا کہ وہ کس بنیاد پر بیعت کا مطالبہ کرتا ہے۔

۳۔ اگر تمہیں یہ بھی قبول نہ ہو تو پھر مجھے چھوڑ دو میں کہیں دور دراز علاقوں میں چلا جاؤں گا، شہروں میں نہیں رہوں گا۔

عمرو بن سعد نے یہ شرائط ابن زیاد کو لکھ کر بھجوادیں۔

بعض لوگ گمراہ کن پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ معاذ اللہ آپ نے جو تین شرائط دی تھیں ان میں ایک یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنا بھی تھا۔ یہ جھوٹ و کذب ہے۔ تمام ائمہ، محدثین، ثقہ مورخین نے بیعت کی بات کو آپؓ سے منسوب نہیں کیا۔ جلیل القدر اور ثقہ ائمہ بشمول تہذیب الکمال کے مؤلف امام مزی، امام سیوطی، امام ذہبی، امام عسقلانی الغرض جتنے جلیل القدر امام ہیں سب نے لکھا کہ آپ نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی شرط نہیں رکھی تھی۔ عمرو بن سعد نے جب یہ شرائط لکھ کر ابن زیاد کو بھجوائیں تو ابن زیاد نے شاہ سے بڑھ کر شاہ کی وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے ان میں سے کسی کو قبول نہ کیا بلکہ کہا کہ سب سے پہلے یزید کے لئے امام حسینؓ سے بیعت لی جائے گی۔ اس کے بعد کوئی اور بات سنوں گا۔ جب عمرو بن سعد نے امام حسینؓ کو ابن زیاد کا غیر لچکدار جواب پہنچایا تو آپ نے فرمایا:

واللہ لا یکون ذالک ابدا. (تہذیب الکمال)

''خدا کی قسم اس بدبخت کے لئے بیعت قیامت تک کے لئے نہیں ہوسکتی''۔

جب آپ کا صاف انکار ہوگیا تو پھر اس کے بعد جنگ شروع ہوگئی۔ واقعہ کربلا کا آغاز ہوگیا اور یکے بعد دیگرے اہلبیت اطہار کے جوانوں کو شہید کیا گیا۔ چھوٹے بڑے 17 اصحاب صرف اہلبیت رسول ﷺ میں سے شہید کردیئے گئے۔ بقایا آپ کے اصحاب تھے۔ اہلبیت میں سے سب کو شہید کردیا گیا۔ صرف ایک سیدنا امام زین العابدینؓ بچے۔ جب شہادت ہوچکی تو اہل بیت کے مقدس سروں کو نیزوں پر چڑھادیا گیا اور یزید کی طرف دمشق بھیجا گیا۔ پہلے یہ قافلہ ابن زیاد کی طرف گیا۔ کوفہ کے بعد وہ قافلہ دمشق میں یزید کے پاس پہنچا تو سر انور امام عالی مقام امام حسینؑ اور دیگر مبارک سر اس بدبخت یزید کے سامنے رکھ دیئے گئے۔ امام مزی نے تہذیب الکمال میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبرزہ اسلمیؓ روایت کرتے ہیں کہ جب امام عالی مقام کا سر انور اس بدبخت یزید کے سامنے رکھ دیا گیا تو یزید لعین چھڑی امام حسینؑ کے مبارک لبوں، ناک مبارک اور چہرہ مبارک پر مارتا اور یہ شعر پڑھتا تھا:

نفلق ھاما من رجال اعزۃ علینا
وھم کانوا اعق واظلما

(تہذیب الکمال ج۶، ص۴۲۸)

''ہم نے ایسے لوگوں کی کھوپڑیاں توڑیں جو ہم پر غالب تھے اور نہایت ہی نافرمان اور ظالم تھے''۔

دوسری روایت میں ہے جس کو کثرت کے ساتھ روایت کیا گیا ہے کہ بدبخت اس دوران یہ کہتا کہ آج میں نے بنو احمد سے اپنے اصحاب کا بدلہ لے لیا ہے۔ جو بدر و احد میں قتل کئے گئے۔ اس روایت کو ابن حاکم، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، طبرانی نے صحیح کہا اور ائمہ تفسیر نے اپنی تفاسیر میں ان کو روایت کیا ہے۔ اس وقت صحابی رسول ﷺ ابو برزہ اسلمی بھی وہاں موجود تھے، وہ برداشت نہ کرسکے اور فرمانے لگے بدبخت اس چھڑی کو ہٹالے، خدا کی قسم تو چھڑیاں مار رہا ہے اور میں نے اپنی ان آنکھوں سے محمد مصطفیٰ ﷺ کو ان لبوں کو چومتے اور اپنی زبان مبارک کو اس دہن میں ڈالتے دیکھا ہے۔

اس نے پوچھا کیا اہل بیت محمد ﷺ میں سے کوئی مرد بچ گیا ہے؟ مدعا یہ تھا کہ آلِ رسول ﷺ کا کوئی فرد زندہ نہ ہو۔ گویا یزید اسی بدبخت کے کردار کو دہرا رہا تھا جس نے معاذ اللہ حضور نبی اکرم ﷺ کو ابتر کہا تھا اور جس کا اللہ رب العزت نے سورۃ الکوثر میں اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ کہہ کر رد فرمایا تھا۔ اس کے ذہن میں وہی خمار تھا کہ میں مصطفیٰ ﷺ کی نسل کو نعوذ باللہ کاٹ دوں۔ اسی بناء پر اس نے پوچھا کہ کوئی مرد بچ گیا ہے۔ کہا گیا کہ ایک بیمار فرد امام زین العابدینؓ کے علاوہ کوئی نہیں بچا۔

یہی سوال ابن زیاد نے بھی کیا تھا، جب ابن زیاد کو بتایا گیا کہ امام زین العابدین بچے ہیں تو اس نے انہیں بھی قتل کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت سیدہ زینبؓ آگے بڑھیں اور امام زین العابدین کو ڈھانپ لیا اور فرمایا:

لَا يُقْتَلُ حَتّٰى تَقْتُلُوْنِیْ. ''اے بدبختو! اس کو اس وقت تک شہید نہیں کیا جائے گا جب تک تم مجھے شہید نہ کردو''۔

گویا امام حسینؓ کی ہمشیرہ جناب سیدہ زینبؓ، امام زین العابدین کے لئے ڈھال بن گئیں اور امام زین العابدین کو چھوڑ دیا گیا۔

کوفہ کے بعد جب یہ قافلہ دمشق پہنچا تو یزید نے باقاعدہ فتح کا جشن منایا۔ اہل بیت اطہار کے افراد کا یہ قافلہ ۳ دن دمشق میں رہا اور پھر یہ قافلہ مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوگیا۔

امام طبرانی نے روایت کیا کہ جب یہ مختصر سا قافلہ مدینہ کے قریب پہنچا تو مدینہ کے لوگ شہر سے باہر نکل آئے، ایک قیامت برپا تھی اور ہر کوئی رو رہا تھا۔ اسی اثناء میں ایک خاتون آگے آئیں۔ ایک روایت میں آتا ہے یہ عبدالمطلب، خاندان بنو ہاشم اور خاندان نبوت کی شہزادیوں میں سے ایک شہزادی تھیں۔ مگر معجم الکبیر میں امام طبرانی نے روایت کیا کہ یہ حضرت زینب صغریٰ بنت عقیل بن ابی طالب تھیں۔ انہوں نے مدینہ کے ان آنے والے باشندوں کو دیکھا تو کہنے لگیں:

ماذا تقولون ان قال النبیؐ لکم
ماذا فعلتم و کنتم اخر الامم
باهل بيتی وانصاری و ذريتی
منهم اساریٰ وقتلٰی ضرجوا بدم
ماكان ذاك جزائی اذ نصحت لكم
ان تخلفونی بسوء فی ذوی رحم.

(معجم الکبیر، ۲۸۵۳)

قیامت کے دن اگر رسول خدا ﷺ نے تم سے پوچھ لیا کہ اے آخری امت ہونے کے دعوے داروں میرے بعد میری اہلبیت اور میری آل سے کیا سلوک کیا۔ تو کیا جواب دو گے؟

وہ پوچھیں گے کہ میں نے تمہیں جو ہدایت دی تھی، نصیحت کی تھی، تم پر کرم کیا تھا، تم پر انعام کیا تھا، تمہیں ذلت سے نکال کر عزت عطا کی تھی، گمراہی اور جہالت سے نکال کر ہدایت تک پہنچایا تھا اور کہا تھا:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی.

''فرما دیجیے: میں اِس (تبلیغِ رسالت) پر تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا مگر (میری) قرابت (اور اللہ کی قربت) سے محبت (چاہتا ہوں)''۔ (الشوریٰ:۲۳)

میری نصیحتوں اور میرے انعامات کا یہ بدلہ دیا کہ تم نے میرے ذوی الارحام کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے۔

امام ابن عساکر نے بیان کیا کہ امام اسماعیل المحاملی روایت کرتے ہیں:

لما قتل الحسین اسودت السمآء وظهرة الکواکب نهاریٰ وسقطت تراب الاحمر.

جس دن امام حسینؑ معرکہ کربلا میں شہید ہوگئے تو آسمان سیاہ ہوگیا اور اتنا سیاہ ہوگیا کہ دن کا وقت تھا مگر ستارے نظر آنے لگے اور سرخ رنگ کی خون آلود مٹی آسمان سے گرنے لگی۔ (تاریخ، ابن عساکر، ۲۸۸)

امام علی ابن مصحر اپنی ابن دادی جان سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتی ہیں: میں چھوٹی بچی تھی جب امام حسینؑ شہید ہوئے تو یہ حالات اور علامات دیکھیں کہ کئی دن اور کئی رات تک آسمان پر رات ہی طاری رہی اور دن غائب ہوگیا تھا۔ (طبرانی، المعجم الکبیر)

امام علی بن محمد المدائنی روایت کرتے ہیں امام علی بن مدرق سے اور وہ اپنے جد اسود بن قیس سے صحیح سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ

احمرت آفاق السمآء بعد قتل حسین ستة اشهر ”شہادت امام حسینؑ کے بعد چھ ماہ تک آسمان خون سے سرخ رہا“۔

نری ذالك فی آفاق السماء کانها الدم.

ہم آسمان کے کناروں پر چھ ماہ تک دیکھتے رہے لگتا تھا کہ آسمان بھی خون کے آنسو رو رہا ہے۔

یہ تمام ان ائمہ حدیث کی روایات ہیں، جو اسماء الرجال اور جرح و تعدیل کے جلیل القدر ائمہ تھے۔ مورخین کی روایات نہیں۔ جنہیں ہم مختلف حیلوں کی بناء پر رد کرتے چلے جائیں۔

ابن عساکر نے روایت کیا کہ امام مسلم بن ابراہیم، ام شوق العبدیہ سے روایت کرتے ہیں کہ

لما ان قتل حسین بن علی مطرت السماء دما. فاصبحت و کل شئی لنا ملآن دماء.

(تاریخ مدینۃ دمشق ج۱۶، ص۲۲۷)

جب حسین ابن علی شہید ہوگئے تو آسمان سے خون کی بارش ہوتی رہی۔ میں نے صبح کو دیکھا کہ ہر شے میں خون بھرا ہوا تھا۔

انہی احوال کو امام زہری نے بیان کیا۔ امام ابن عساکر نے تاریخ میں اور امام طبرانی نے معجم میں روایت کیا اور اس حدیث کے راوی امام سلیمان بن حربؒ ہیں، انہوں نے روایت کیا امام حماد بن زید سے جو امام بخاری کے والد امام اسماعیل بخاریؒ کے شیخ اور امام مالکؒ کے معاصر ہیں، امام اعظم کے تلامذہ میں ہیں، یہ سارے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے رجال ہیں۔ امام حماد بن زیدؒ، امام زہریؒ سے روایت کررہے ہیں اور یہ امام مالکؒ کے شیخ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ

سب سے پہلے میں نے ولید بن عبدالملک کے دربار میں ان کو یہ کلام کرتے ہوئے سنا، ولید نے کہا: اے امام زہری کیا آپ کے علم میں ہے کہ جس دن امام حسینؑ شہید کئے گئے تو بیت المقدس تک کے پتھروں میں سے جس کو اٹھایا جاتا تھا نیچے سے خون پھوٹتا تھا۔ آپ نے اس بارے میں کیا سنا؟ امام زہری نے تصدیق کی کہ ہاں مجھے بھی یہ خبر ملی کہ بیت المقدس اور اس کے علاوہ جس پتھر کو اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے سے خون نکلتا تھا۔ اس واقعہ کی تصدیق امام زہری نے کی۔ امام طبرانی نے معجم اور امام مزی نے تہذیب الکمال میں اس کو روایت کیا۔

بعض لوگ کہہ دیتے ہیں یہ موضوع، ضعیف اور من گھڑت روایات ہیں جبکہ ان تمام کو جلیل القدر ائمہ حدیث نے بیان فرمایا۔

معجم امام طبرانی اور مجمع الزوائد میں امام ہیثمی روایت کرتے ہیں کہ امام حسینؑ کی شہادت کا نوحہ آسمان، زمین، پتھر، صحابہ کرام حتی کہ جنات نے بھی کیا۔ عمار بن ابی عمار روایت کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمیٰؓ فرماتی ہیں:

سمعت الجن تنوح علی الحسین

”میں نے جنات کو سنا کہ حسینؑ کا نوحہ کررہے تھے“۔

زکریا بن یحیٰ الساجی روایت کرتے ہیں

عبدالرحمٰن بن صالح الازدی سے، وہ روایت کرتے ہیں سری بن منصور بن عمار سے اور وہ روایت کرتے ہیں اپنے والد سے، وہ فرماتے ہیں:

امام حسینؑ جب شہید ہوگئے۔ آپ کے سر انور کا قافلہ جارہا تھا، بدبخت یزیدی لوگ شراب کے نشے میں مست تھے، جشن فتح منارہے تھے کہ اچانک عالم غیب سے قلم ظاہر ہوا اور آسمان کے کنارے پرخون کے ساتھ یہ شعر لکھا گیا:

اترجوا امة قتلت حسينا

شفاعة جده يوم الحساب

یہ ٹولہ جس نے حسینؑ کو شہید کردیا ہے کیا اب بھی قیامت کے دن ان کے نانا کی شفاعت کی توقع رکھتا ہے۔ کیا اب بھی توقع کرتے ہیں کہ انہیں مسلمانوں میں شمار کیا جائے گا؟

امام عالی مقام 10 محرم الحرام ٦١ ہجری جمعہ کے دن شہید ہوئے۔ آپ کے جسم پر بے تحاشا زخم تھے مگر سب تیروں کے زخم تھے کوئی شخص قریب آکر تلوار سے وار کرنے کی جرأت نہ کرسکا۔ آپ کی عمر مبارک اس وقت 56 برس تھی۔ یہ اصح قول ہے بعض کتب میں 58 برس کی روایات بھی آئی ہیں۔

حضرت امام حسینؑ کے قاتل ایک ایک کرکے اپنے عبرتناک انجام سے دوچار ہوئے، جو بھی اس قتل میں شریک تھا، معاون تھا، وہ اذیت ناک طریقے سے واصل جہنم ہوا۔ حتی کہ یزید خود درد کولنج میں تڑپ تڑپ کر جہنم رسید ہوا۔

امام ابو یعلیٰ روایت کرتے ہیں امام ابونعیم سے، انہوں نے عبداللہ بن حبیب سے روایت کیا، وہ سعید ابن جبیر سے اور وہ عبداللہ ابن عباس سے فرماتے ہیں:

اوحی الله الی نبیکم ﷺ انی قتلت بیحی بن زکریا سبعین الفا وانی قاتل بابن ابتك سبعین الفا وسبعین الفا. (المستدرك الصحیحین، ج۲، ص ۳۱۹)

”اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی طرف وحی فرمائی کہ اے میرے محبوب جب یحییٰ علیہ السلام کو قتل کیا گیا تو میں نے اس کے بدلے میں 70 ہزار لوگوں کو مارا اور جب فاطمہ کے بیٹے حسین کا بدلہ لوں گا تو 70 ہزار اور پھر 70 ہزار (ایک لاکھ 40 ہزار) کو واصل جہنم کرکے بدلہ لوں گا“۔

آخرت کا بدلہ تو جدا ہے۔ شفاعت کا جھنڈا جو آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہوگا، اہلبیت کا دشمن اور حضرت امام حسینؑ کے ساتھ محبت نہ رکھنے والا اس دن شفاعت سے بھی محروم ہوگا۔ دشمن اہلبیت میں سے کوئی شخص جنت میں نہیں جائے گا۔ جو اہلبیت کا دشمن، ان کے قاتلین اور معاونین میں سے تھا وہ کفار میں شریک کردیئے گئے، **بدلوا نعمة الله كفرا** کی زد میں ڈال دیئے گئے، ان کا ٹھکانہ جہنم بنادیا گیا۔ ان کے لئے نہ دنیا میں عزت اور نہ آخرت میں عزت ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید نے خود اعلان کردیا کہ وہ اہل ایمان اور نہ اہل معرفت رہے۔ بالآخر 1 لاکھ چالیس ہزار بنوامیہ کے افراد قتل ہوئے، ان کی نسلیں مٹا کر بنوعباس اقتدار میں آئے۔ قیامت کے بدلہ کا اعلان سورہ ابراہیم کی آیت ۲۹ میں کردیا کہ

جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ.

”(وہ) دوزخ ہے جس میں جھونکے جائیں گے، اور وہ برا ٹھکانا ہے“۔ (ابراہیم:۲۹)

یعنی یہ وہ بدلہ ہے جو قیامت والے دن ان سے لیا جانا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں امام عالی مقام کی محبت بھی عطا کرے۔۔۔ اہلبیت اطہار کی محبت سے بھی نوازے۔۔۔ ان کی اتباع کرنے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔۔۔ جس طرح انہوں نے اپنے آپ کو اور پورے خانوادہ نبوت کو لٹا کر حضور ﷺ کا دین بچایا اور قیامت تک کے لئے ایک داستان حریت اور داستان حفاظتِ اسلام رقم کردی، اللہ تعالیٰ ہمیں اور امت مسلمہ کے ایک ایک فرد کو بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنا تن من دھن سب کچھ حضور ﷺ کے دین پر لٹانے کی توفیق عطا فرمائے۔۔۔ اور وہ زندگی عطا کرے جس میں ہم محبت اہلبیت پر رہیں اور وہ موت عطا کرے جس موت سے ہم شفاعتِ اہل بیت سے بہرہ یاب ہوں۔

آپ کے دینی مسائل

مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

سوال: بعض لوگ حج بیت اللہ کے بعد مدینہ منورہ کی حاضری کو ضروری خیال نہیں کرتے۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مدینہ منورہ حاضری کے متعلق آگاہ فرمائیں۔

جواب: کوئی مسلمان حج بیت اللہ کے ساتھ مدینہ منورہ کی حاضری کو فضول نہ کہہ سکتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے جو ایسا کہے یا سمجھے وہ بدنصیب، بدبخت اور شیطان کا پیروکار ہے۔ اسلامی تعلیمات و احکام سے نابلد ہے یا اس حوالے سے جانتا تو ہے مگر دل کا بیمار اور منافق ہے۔ قرآن کریم نے منافقین کی یہ علامت بیان کی ہے:

وَاِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰى مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوۡلِ رَاَيۡتَ الۡمُنٰفِقِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡكَ صُدُوۡدًا.

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ (قرآن) کی طرف اور رسول (ﷺ) کی طرف آجاؤ تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ وہ آپ (کی طرف رجوع کرنے) سے گریزاں رہتے ہیں''۔ (النساء، ٤: ٦١)

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا يَسۡتَغۡفِرۡ لَكُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ لَوَّوۡا رُءُوۡسَهُمۡ وَرَاَيۡتَهُمۡ يَصُدُّوۡنَ وَهُمۡ مُّسۡتَكۡبِرُوۡنَ. (المنافقون ٦٣: ٥)

''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ رسول اللہ (ﷺ) تمہارے لیے مغفرت طلب فرمائیں تو یہ (منافق گستاخی سے) اپنے سر جھٹک کر پھیر لیتے ہیں اور آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ تکبر کرتے ہوئے (آپ کی خدمت میں آنے سے) گریز کرتے ہیں''۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا. (النساء، ٤: ٦٤)

''اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول (ﷺ) بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے''۔

قرآن کریم کی ان تین آیتوں میں سرسری نظر کرنے سے ہی پتہ چلتا ہے کہ:

١) منافق قرآن کی طرف دوڑتے ہیں مگر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آنا پسند نہیں کرتے۔

٢) جب ان کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آنے کا کہا جائے اور یہ بتایا جائے کہ حضور ﷺ تمہارے لئے استغفار کریں تاکہ تمہیں صحیح ایمان نصیب ہو جائے تو وہ غرور تکبر کرتے ہوئے آپ سے دور بھاگتے ہیں۔

٣) ان کی بخشش کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ اپنی ظالمانہ روش چھوڑ دیں سرکار کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ سے بخشش کی دعا کریں پھر رسول اللہ ﷺ بھی ان

کی بخشش کی شفاعت کریں یعنی خدا سے ان کی معافی کی دعا مانگیں تو توبہ قبول ہوسکتی ہے ورنہ نہیں۔

فرمان اللہ تعالیٰ کا ہے، نقل ہم نے کر دیا۔ غور کرنا ہر صاحب عقل و ایمان کا کام ہے، جس کو گناہ بخشوانے ہوں وہ قرآنی راستہ اختیار کرے اور سرکار ﷺ کی خدمت میں حاضری دے، جسے بخشش کی ضرورت نہیں، وہ نہ جائے۔ قرآن کریم صرف صحابہ کرام کے لئے نہ تھا بلکہ یہ قیامت تک کے لئے سب کی ہدایت اور روشنی کا ذریعہ ہے۔ پس یہ احکام بھی دیگر احکام کی طرح ہمیشہ کے لئے واجب الاطاعت ہیں۔

احادیث رسول اللہ ﷺ

قرآن مجید کے بعد اب آیئے احادیث مبارکہ سے مدینہ منورہ حاضری کے متعلق رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

۱) **من استطاع ان یموت بالمدینة فلیمت بها فانی اشفع لمن یموت بها.** "جو مدینہ میں مر سکتا ہو، اس کو یہیں مرنا چاہیے کہ جو کوئی اس سرزمین پر مرے گا بلاشبہ میں اس کی شفاعت کروں گا"۔ (ترمذی، جامع، ج ۵/ص ۷۱۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

۲) **اللهم اجعل بالمدینة ضعفی ما جعلت بمکة من البرکة.** "الٰہی! جتنی برکت تو نے مکہ میں پیدا فرمائی اس سے دوگنی مدینہ میں پیدا فرما"۔ (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۲۶۶)

۳) حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: **من زارنی متعمدًا کان فی جواری یوم القیامة.**

(بیہقی، شعب الایمان، ۳:۴۸۸، الرقم: ۴۱۵۲)

"جس نے نیت و ارادہ سے میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میرے پڑوس میں ہوگا"۔

فضائل مدینہ میں ان روایات کو ذکر کرنے سے محدثین کرام کی مراد یہ ہے کہ ان ارشادات میں حضور ﷺ کی زیارت سے مراد عام ہے، خواہ ذات والا صفات کی زیارت نصیب ہو، خواہ روضہ انور کی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

۴) **من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی.** "جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد، میری قبر کی زیارت کی ایسا ہی ہے جیسے اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی"۔ (بیہقی، السنن الکبری، ۵:۲۴۶، رقم: ۱۰۰۵۴)

۵) نبی کریم ﷺ نے مدینہ طیبہ کے لئے دعا فرمائی:

اللهم حبب الینا المدینة کحبّنا مکة اواشد. "الٰہی ہم کو مدینہ کی محبت ایسے ہی عطا فرما جیسے مکہ کی محبت، بلکہ اس سے بڑھ کر"۔ (بخاری، الصحیح، ۱: ۲۵۳)

۶) حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الٰہی! بے شک ابراہیم علیہ الصلوۃ و السلام، تیرا بندہ، خلیل اور نبی ہے اور بے شک میں تیرا بندہ اور نبی ہوں، انہوں نے تجھ سے مکہ کے لئے دعا کی اور میں تجھ سے مدینہ کے لئے ایسی ہی دعا کرتا ہوں، جیسے انہوں نے مکہ کے لئے کی اور اس کے ساتھ ساتھ اس سے دوگنی"۔ (مسلم، الصحیح، ۱: ۴۴۲)

۷) حضرت سفیان زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے سنا: **المدینة خیر لهم لو کانو یعلمون.** "لوگوں کے لئے مدینہ بہتر ہے، کاش جان جائیں"۔ (بخاری، الصحیح، ۱:۲۵۲)

۸) حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من زار قبری وجبت له شفاعتی.

''جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی''۔ (دار قطنی، السنن، ۲: ۲۷۸، الرقم: ۱۹۴)

فقہائے امت

اگر ائمہ کرام اور فقہائے امت کے اقوال کی طرف بھی نظر دوڑائیں تو ہمیں وہاں بھی مدینہ منورہ حاضری اور آقا ﷺ کی بارگاہ کے آداب وطریقہ کار اور فضیلت سے آگاہ کیا جارہا ہے:

۱) انها قريبة من الوجوب لمن له سعة. (مناسک الفارسی وشرح المختار)

''جس کو توفیق ہو اس کے لئے حضور ﷺ کی روضہ پاک کی زیارت واجب کے قریب ہے''۔

۲) کل ما کان ادخل فی الادب والا جلال کان حسنا۔ ''جو عمل مدینہ شریف کے ادب وجلال کو زیادہ نمایاں کرے وہی بہتر ہے''۔ (عالمگیری، ۱: ۲۶۵)

۳) الاشباء والنظائر اور اس کی شرح عیون البصائر میں ہے کہ فاذ اقضی نسکه یمر بالمدینه و ان بدا بالمدینه جاز. ''حج کر کے مدینہ منورہ جائے اگر پہلے مدینہ منورہ حاضری دے تو بھی جائز ہے''۔

۴) لاريب فی أن زيارة قبر المصطفى عليه الصلوة من أعظم القرب وأجلها شأنًا.

''بے شک مصطفیٰ ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت قربت الٰہیہ کا سب سے بڑا ذریعہ اور عظیم تر عبادت ہے''۔

كيف يسكن قلب المومن المسلم الذی يستطيع أن يحج البيت ويستطيع أن يزور المصطفى ﷺ ولا يبادر إلى هذا العمل.

''جو مسلمان ایماندار، بیت اللہ کا حج کر سکے اور مصطفیٰ ﷺ کی زیارت کر سکتا ہو، حج کے موقع پر اس کا دل حاضری مدینہ کے بغیر کیسے سکون حاصل کر سکتا ہے؟'' (الجزیری، الفقه علی المذاهب الاربعه، ۱: ۷۱۲)

سوال: جس کو حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ کی حاضری کی سعادت نصیب نہ ہو سکے تو پھر وہ ولو انهم اذ ظلموا انفسهم.. کی آیت کے تحت کس طرح آقا ﷺ کی سفارش وشفاعت کو ممکن بنائے؟

جواب: جس طرح اللہ تعالیٰ سے منسوب ایک مقام ''بیت اللہ'' کہلاتا ہے مگر ہر بندے کی وہاں تک رسائی نہیں پھر اللہ تک رسائی کیونکر ہو؟ گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ دیکھتا ہے اور ہر ایک کی سنتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے شاہد وشہید بنا کر بھیجا ہے۔ جو شخص مدینہ منورہ نہیں جاسکتا، وہ یہیں سے روحانی رابطہ سرکار دو عالم ﷺ سے قائم کر لے ان شاء اللہ بارگاہ مصطفوی میں رسائی ہو جائے گی۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ. (الاحزاب ۳۳: ۶)

''یہ نبیِّ (مکرّم ﷺ) مومنوں کے ساتھ اُن کی جانوں سے زیادہ قریب اور حقدار ہیں''۔

آپ نماز میں سرکار دو عالم ﷺ کو حاضر جان کر سلام عرض کرتے ہیں: السلام عليك أيها النّبی. یا رسول اللہ ﷺ آپ پر سلام۔ اگر کوئی مسلمان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ میں حاضر نہیں ہوسکتا تو یہیں سے توجہ مبذول کرلے اور یقین جانے کہ رسول اللہ ﷺ ہم سے قریب تر ہیں۔ سرکار سے بھی عرض کرے آپ یقیناً سنتے اور دیکھتے ہیں، آپ سے دعا وشفاعت کی درخواست کرے، اللہ سے بخشش کی دعا بھی کرے۔ ان شاء اللہ مراد حاصل ہوگی۔ اللہ اور رسول ﷺ کے فضل وکرم سے قبولیت دعا کا یقین رکھے کیونکہ یہ طریقہ اسی کا بتلایا ہوا ہے۔ نیز ہمارا دل اور آئندہ کا طرز عمل بھی ہمیں بتائے گا

سیدنا حضرت عمر فاروقؓ

بحیثیت خلیفہ راشد — مثالی نظامِ حکومت

زیرِ نظر مضمون مصر سے تعلق رکھنے والی ایک عظیم شخصیت ”شیخ عمر تلمسانیؒ“ کی معروف کتاب ”شہید المحراب عمر بن الخطاب“ سے ماخوذ ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کی شخصیت اور خدمات پر تربیتِ افراد اور تنظیمِ معاشرہ کے تناظر میں گفتگو کی ہے۔ انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کی شخصیت کو روایتی انداز اور محض تاریخ وسوانح کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ قارئین کے لئے دعوتِ عمل اور خیر وبھلائی کی طرف رغبت دلانے کے لئے تحریکی انداز اختیار کیا ہے۔ ہم نے اس کتاب کے صرف انہی حصوں کو موضوع بنایا ہے جن کا تعلق ”اندازِ حکمرانی اور مثالی حکومت“ سے ہے۔ یکم محرم الحرام ،حضرت عمر فاروقؓ کا یوم شہادت ہے۔ اسی مناسبت سے یہ خوبصورت مضمون نذرِ قارئین کیا جارہا ہے۔

حکمران مختلف میدانوں میں کارہائے نمایاں سرانجام دیتے ہیں مگر بعض پہلوؤں سے وہ کمزور بلکہ ناکام نظر آتے ہیں۔ حکمرانی کے جملہ اوصاف حمیدہ اور ہر میدان میں کامیابی اگر کسی ایک حاکم میں دیکھنا مقصود ہو تو پھر یہ شخصیت حضرت عمرؓ بن خطاب ہی کی ہے۔ حضرت عمرؓ کی یہ فضیلت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے جس کا انکار کسی کے بس میں نہیں۔ جس ماحول اور معاشرے میں حضرت عمرؓ نے خلافت کی ذمہ داریاں ادا کیں اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت عمرؓ کی فتوحات اور کامیابیاں اتنی عظیم ہیں کہ انسان انہیں دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ کوئی دوسرا حکمران اتنی عظیم الشان فتوحات حاصل کرتا تو غرور سے پاگل ہوجاتا مگر ہم جانتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے طرزِ عمل اور سوچ میں ذرا برابر تغیر نہ آیا۔ انصاف پسند مورخین کے نزدیک حضرت عمرؓ منفرد مقام کے حامل ہیں۔ غیر مسلم تاریخ دان بھی اگر انصاف اور دیانتداری سے قلم اٹھائیں تو اس عظیم شخصیت کی عظمت کو قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہیں پاتے۔

منصب خلافت کی اہمیت

حضرت عمرؓ پر اللہ کا یہ خصوصی فضل تھا کہ آپؓ خلافت کی ذمہ داریوں اور نزاکتوں سے بخوبی واقف تھے۔ اس کا حق ادا کرنے میں حد درجہ محتاط اور باریک بین تھے۔ اس معاملے میں وہ سمجھتے تھے کہ ان کا مقام عمرؓ بن خطاب کی حیثیت سے نہیں بلکہ خلیفہ رسول ہونے کی حیثیت سے ہے۔ آپ کے نزدیک اپنی ذات کا کوئی مقام اور وزن نہیں تھا بلکہ اس منصب خلافت کا وزن تھا جس کے لئے امت نے آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ خلیفہ، اللہ کی زمین میں اس کا نائب اور اس کا سایہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سلطان عادل کے ذریعے سے وہ کام کروا دیتا ہے جو سلطان عادل کی غیر موجودگی میں قرآن بھی سرانجام نہیں دے سکتا۔ اللہ کی نیابت کے لئے فکر وعمل کی پاکیزگی،

حکمت اور وقار ضروری صفات ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”جب تک حکمران ظلم نہ کرے اللہ کی نصرت اسے حاصل رہتی ہے اور جوں ہی وہ ظلم کی روش اختیار کرے اللہ تعالیٰ اسے اس کے اپنے نفس کے حوالے کر دیتا ہے“۔

حضرت عمرؓ اس قول سے بھی باخبر تھے کہ ایک دن کا عدل و انصاف چالیس سال کی عبادت کے برابر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ قول بھی حضرت عمرؓ کے سامنے رہتا تھا۔

”جو حکمران اپنی رعایا پر ظلم و زیادتی کرے وہ کبھی انصاف نہیں کرسکتا“۔ (الحاکم)

فی الحقیقت رسول اللہ ﷺ کے جملہ اقوال حضرت عمرؓ کے سامنے رہتے تھے۔ انہیں آپ کا یہ فرمان بھی یاد تھا۔

”سلطان، اللہ کی زمین میں اس کا سایہ ہے۔ اللہ کے بندوں میں سے ہر مظلوم سلطان کی طرف رجوع کرتا ہے۔ پھر اگر سلطان عدل کرے تو اس کے لئے اجر ہے اور رعایا پر شکر واجب اور اگر وہ ظلم و ناانصافی کرے تو اس کے لئے عذاب ہے اور ایسی حالت میں رعیت کو صبر کرنا چاہئے“۔

حضرت عمرؓ بخوبی جانتے تھے کہ مسلمان حکمران کے فرائض کیا ہیں اور انہیں کیسے ادا کیا جاسکتا ہے؟ وہ ان اصولوں کی خاطر زندہ رہے جو اسلام نے زندگی گزارنے کے لئے انسانیت کو دیئے ہیں۔ آپ اپنی شخصیت کو چنداں اہمیت نہ دیتے تھے بلکہ اصولوں کی بالادستی آپ کا مطمحِ نظر تھا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے عظیم خدمت کے لئے چن لیا تھا اور آپ نے اس کا حق بھی ادا کردیا۔ آپ نے امت کے معاملات کو ایسی پختہ اور ناقابل شکست بنیادوں پر استوار کردیا تھا کہ اس کے بعد اصلاح و خیر کا دور دورہ ہوا اور فساد و شر کا مکمل خاتمہ ہوگیا۔ جب تک یہ بنیادیں موجود ہیں انسانیت کبھی گمراہ نہیں ہوسکتی اور بنی نوع آدم کی بھلائی کا کوئی راستہ ان اصولوں کی پیروی کے سوا ممکن نہیں ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا پہلا خطاب

خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد پہلے ہی دن آپ نے لوگوں کے سامنے اس بات کی وضاحت کردی تھی کہ لوگوں سے حکومت کس طرح معاملہ کرے گی۔ آپ نے کہا:

”لوگو! وحی کا سلسلہ تو منقطع ہوچکا ہے۔ اب ہم تمہارے ساتھ جو بھی معاملہ کریں گے وہ تمہارے ظاہری حالات اور اعمال کے مطابق ہوگا۔ ظاہراً جس نے خیر و بھلائی کا رویہ اپنایا، ہماری طرف سے اسے امن و امان کی ضمانت ہے۔ باطنی حالت اور چھپے ہوئے راز کی ٹوہ ہم نہیں لگائیں گے۔ یہ معاملہ بندے اور اللہ کے درمیان ہے اور اللہ باطن کے مطابق اور نیتوں کے لحاظ سے بندوں سے حساب لے لے گا۔ اسی طرح جس شخص سے شر اور فساد ظاہر ہوا ہم اس کے خلاف قانونی کارروائی کریں گے۔ اگر وہ کہتا بھی رہے کہ دل اور نیت سے اس کا ارادہ فتنہ و فتور کا نہ تھا تو ہم اس کے ظاہری عمل کے مقابلے پر اس کے اس دعوے کو قبول نہ کریں گے“۔

اسی بنیادی اصول کے مطابق سیدنا عمرؓ نے خلافت کی ذمہ داریاں نبھائیں۔ چودہ صدیاں قبل آپؓ نے ایک صالح معاشرہ کے لئے بنیادی اصول وضع کردیئے تھے۔ حکمران کے حقوق بھی ہوتے ہیں اور فرائض بھی۔ اسی طرح رعایا کے بھی حقوق اور فرائض ہوتے ہیں۔ تنظیم خیر خواہی اور اطاعت کے ستونوں پر قائم ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

”اطاعت ہوگی تو جماعت قائم رہے گی۔ اطاعت کے بغیر جماعت قائم نہ رہ سکے گی“۔

سچی بات یہ کہ اطاعت کے بغیر نہ کوئی جماعت قائم رہ سکتی ہے، نہ ادارہ نہ خاندان، نہ تنظیم۔ ایک اینٹ گرجائے تو دوسری اس کے پیچھے گرتی ہے۔ شہتیر گرجائے تو کڑیاں اپنی جگہ قائم نہیں رہ سکتیں۔ پھر انسانی جماعت

اور معاشرہ تنظیم اور اطاعت کے بغیر کیسے قائم رہ سکتا ہے۔ اس دین میں اطاعت فرض عین ہے۔ حکم ربانی ہے:

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہوجائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے''۔

قانون کی تنفیذ اور بالا دستی

حضرت عمرؓ کا ذہن وسیع اور نگاہ دور رس تھی۔ آپ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ رعایا اور حکمران سب قانون کا احترام کریں۔ جو حکم جاری ہوجائے اس کی تنفیذ اور اطاعت میں کسی قسم کا تساہل آپ کو ہرگز پسند نہ تھا۔ آپ جس طرح اپنے گردونواح میں بسنے والے اہل مدینہ پر نظر رکھتے تھے اس طرح اسلامی ریاست کے بعید ترین کونوں میں رہنے والوں پر بھی آپ کی نگاہ رہتی تھی۔ قوانین کی کثرت کی ضرورت ہوتی ہے نہ فائدہ۔ اصل چیز یہ ہے کہ قوانین نافذ کئے جائیں اور ان کی پابندی کرائی جائے۔ اس طرح تھوڑے قوانین بھی معاشرے کے لئے کافی ہوتے ہیں۔ حیلے بہانوں سے قوانین کو غیر مؤثر بنانے کے راستے اور غرض کے بندوں کے ہتھکنڈوں کے دروازے بند کردیئے جائیں تو حکم عدولی اور غیر قانونی حرکتوں کا خاتمہ بآسانی کیا جاسکتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے امت کو حکمرانوں کے حقوق بتانے کے ساتھ امت کے حقوق بھی واضح کئے۔ آپ نے فرمایا:

''جس کسی پر کوئی امیر یا گورنر کوئی زیادتی کرے وہ مجھے اس کی اطلاع دیدے میں اس سے بدلہ دلواؤں گا''۔

یہ سن کر مصر کے گورنر عمروؓ بن العاص کھڑے ہوئے اور کہا: ''امیر المومنین یہ تو عجیب حالت ہوجائے گی، ہم میں سے کوئی اگر تادیب کے لئے اپنی رعایا کے کسی فرد کو کچھ کہہ سن لے تو اس سے بھی آپ بدلہ دلوائیں گے؟''۔ فرمایا: ''کیوں نہیں میں نے تو خود رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنی ذات کو لوگوں کے سامنے بدلے اور انتقام کے لئے پیش فرمایا کرتے تھے''۔

جب امراء کسی شخص پر زیادتی کرتے تو ضرور ان سے بدلہ دلوایا جاتا مگر جہاں تک لوگوں کے جرائم پر حدود و تعزیر کے قیام کا تعلق تھا، ظاہر ہے وہ تو عین مطلوب ومقصود تھا۔ اس کے ذریعے اسلامی ریاست میں امن و امان قائم رہتا ہے اور رعایا کے حقوق کی حفاظت کی جاتی ہے۔ غیر قانونی طور پر دی جانے والی عقوبت کو حضرت عمرؓ کبھی معاف نہ فرماتے تھے۔ یوں حکمران بھی اپنی حدود میں مقید تھے اور رعایا بھی قانون کی پابند۔ حضرت عمرؓ نے انصاف کو یقینی بنانے کے لئے انتظامیہ اور عدلیہ کو الگ الگ کردیا تھا۔ اگر قانون نافذ کرنے اور تنازعات کے فیصلے کرنے کی طاقت و اختیار ایک ادارے یا فرد میں جمع ہوجائے تو انصاف کے تقاضے کیونکر پورے ہوسکتے ہیں؟ اسلام کسی حکمران کو اپنی حدود سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

جواب دہی کا احساس

حضرت عمرؓ نے بطور حاکم اپنی ذمہ داری اور رعایا کے بنیادی حقوق کا اعلان فرماتے ہوئے کہا:

''اگر میرے کسی عامل نے کسی شخص پر ظلم کیا اور مجھے اس کی اطلاع مل گئی اور اس کے باوجود میں نے مظلوم کی داد رسی نہ کی تو سمجھو کہ میں اس ظلم میں نہ صرف شریک ہوں بلکہ حقیقت میں، میں ہی ظلم کا مرتکب ہوں۔

حضرت عمرؓ چونکہ سربراہ مملکت تھے اس لئے وہ اپنے آپ کو مسئول سمجھتے تھے۔ مظالم سے لوگوں کی حفاظت ان کے نزدیک حاکم وقت کی اولین ذمہ داری تھی جس کی

جوابدہی اسے اللہ کے ہاں کرنی ہوگی۔ آپ کا تصورِ جوابدہی ایسا کامل اور اعلیٰ تھا کہ آپ نے بارہا کہا:

''جن مظالم کی اطلاع اور شکایت مجھ تک پہنچتی ہے ان کا ازالہ کرنا تو میری ذمہ داری ہے ہی مگر جن مظالم سے میں بے خبر رہتا ہوں ان کی مسئولیت بھی مجھی پر ہوگی''۔

اس احساس فرض اور پاکیزہ تصور کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ لوگوں کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ ظلم و زیادتی پر خاموشی اختیار کرنے کی بجائے وہ اس پر احتجاج کیا کریں تاکہ ظلم کا خاتمہ کیا جاسکے۔ یہ حاکم وقت کے فہم سلیم اور احساس ذمہ داری کی قابل رشک مثال ہے۔

قومی خزانہ ایک امانت کی حیثیت رکھتا ہے۔ حاکم وقت اور ذمہ داران اس کے امین ہوتے ہیں اور اس کے بارے میں ان سے باز پرس بھی سخت ہوگی۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے:

''بیت المال کے ساتھ میرا معاملہ ویسا ہی ہے جیسا یتیم کے مال کے ساتھ اس کے سرپرست کا ہوتا ہے۔ اگر میں محتاج ہوا تو حسب ضرورت بیت المال سے لوں گا۔ حالات درست ہوگئے تو واپس کروں گا اور اگر مالدار ہوگیا تو بیت المال سے کچھ نہ لوں گا''۔

اس اہم اور نازک معاملے کی مزید وضاحت یوں فرمائی:

''اس بیت المال سے میں اسی قدر وصول کروں گا جس قدر میں اپنے کمائے ہوئے مال سے خرچ کیا کرتا تھا۔ بیت المال آپ کے تصرف میں تھا مگر آپ نے نہ تو کوئی ذاتی محل تعمیر کیا اور نہ اس سے ذاتی منافع حاصل کیا۔ آپ فوت ہوئے تو مقروض تھے۔

معاشی حالات میں آپ کی حزم و احتیاط کا یہ عالم تھا تو امت کی تربیت و اصلاح عامہ کے باب میں بھی آپ کی توجہ گہری اور نگاہ دور رس تھی۔ آپ امت کے افراد میں جرأت و مردانگی پیدا کرنا چاہتے تھے۔ بزدلی اور مداہنت سے آپ کو نفرت تھی۔ آپ ایک مربی کی حیثیت سے لوگوں سے کہا کرتے تھے:

''شجاعت اور بزدلی انسانی فطرت کے خصائل ہیں۔ بہادر آدمی بہادری کے ساتھ ان دشمنوں کا مقابلہ کرتا ہے جنہیں وہ جانتا تک نہیں اور بزدل آدمی اپنی ماں سے بھی ڈر کر بھاگ جاتا ہے۔ انسان کا شرف اس کے دین سے وابستہ ہے اور اس کا حسب ونسب اس کا اخلاق ہوتا ہے خواہ وہ فارسی الاصل ہو یا قبطی النسل''۔

خود احتسابی

خود احتسابی بڑی عظیم صفت اور اخلاقی خوبی ہے۔ آپ کہا کرتے تھے:

''محاسبے کے وقت سے پہلے اپنا محاسبہ کرلو اور اعمال کا ترازو لگنے سے قبل خود اپنے اعمال کا وزن کرلو۔ ایسا طرزعمل اختیار کرلو گے تو کل حساب میں آسانی رہے گی اور بڑی پیشی کے لئے اپنے آپ کو اچھی طرح تیار کرلو''۔

حضرت عمرؓ حکومت کے اداروں کو اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ ان کی ذات کی تعریف میں رطب اللسان ہوجائیں۔ انہیں معلوم تھا کہ وہ انسان ہیں اور ان کا علم اور صلاحیتیں محدود ہیں۔ وہ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ بعض اوقات انسان ہونے کی وجہ سے ان سے غلطی ہوسکتی ہے اور وہ کسی مفید کام سے رکنے کا اور غیر مفید کام کے کرنے کا حکم دے سکتے ہیں۔ پس وہ لوگوں کو سمجھایا کرتے تھے کہ وہ اپنے دین کا فہم حاصل کریں اور اندھی تقلید نہ کیا کریں تاکہ حرام چیزوں سے دامن بچاسکیں، اسلام میں کسی بھی مخلوق کی اطاعت اللہ کی معصیت میں نہیں کی جاسکتی۔ اس معاملے میں آپ وضاحت سے فرمایا کرتے تھے:

''ممکن ہے میں تمہیں ایسے کاموں سے منع کردوں جن میں تمہارا فائدہ اور مصلحت ہو اور تمہیں ایسے کاموں کا حکم دے دوں گا جن سے تمہیں نقصان ہونے کا

احتمال ہو۔ اس لئے تم میری اصلاح کرتے رہا کرو‘‘۔

قحط سالی میں حضرت عمرؓ کا طرز عمل

جب رعایا کو کسی بات کا حکم دیتے تو خود اس پر پہلے کاربند ہوجاتے تاکہ عامۃ الناس کے لئے اچھا نمونہ پیش کریں۔ لوگوں سے سادگی اور قناعت اختیار کرنے کا مطالبہ کیا تو خود اس کی بہترین عملی مثال بن گئے۔ قحط سالی میں اپنے لئے ہر وہ چیز ممنوع سمجھ لی تھی جس تک عام لوگوں کی رسائی ممکن نہ تھی۔ قحط کے زمانے میں رعایا کی بھوک اور تنگی کا اس قدر احساس تھا کہ یوں معلوم ہونے لگا کہ اس فکر سے ہلکان ہوجائیں گے۔ یہ زمانہ پانچ چھ سال کے عرصے پر محیط تھا۔ اس پورے دور میں آپ نے زندگی کی ہر پرلطف چیز کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس زمانے میں ایک سال یا دو سال خصوصی طور پر سخت تھے کہ ان میں بھوک اور طاعون نے لوگوں کی زندگی اجیرن کردی تھی۔ حضرت عمرؓ خلافت کو ذمہ داری اور امانت سمجھتے تھے۔ اس احساس ذمہ داری نے حضرت عمرؓ کے قول وفعل میں ایسا تطابق پیدا کردیا تھا کہ انہوں نے امانت کا حق ادا کردیا۔

حضرت عمرؓ اپنے اہل وعیال کو قانون کا احترام کرنے کی تاکید عام لوگوں سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ اس کا اثر عام لوگوں پر خودبخود پڑتا ہے اور بہت اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ قحط کے زمانے میں اپنے بچوں میں سے ایک بیٹے کے ہاتھ میں خربوزہ دیکھ لیا تو ڈانٹ کر فرمایا:

’’اے امیرالمومنین کے بیٹے یہ کیا کر رہے ہو؟ امتِ محمد ﷺ بھوکوں مر رہی ہے اور تم پھل کھاتے ہو‘‘۔

لڑکا روتا ہوا ماں کی جانب بھاگا مگر حضرت عمرؓ کو اس وقت تک اطمینان نہ ہوا جب تک انہیں بتا نہ دیا گیا کہ خربوزہ بیت المال سے نہیں لیا گیا بلکہ بچے کی ماں نے اسے اپنی جیب سے خرید کردیا ہے۔

آج مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ جو پیٹ بھر کر کھاتا ہے اور ضروریات زندگی وافر مقدار میں موجود پاتا ہے وہ انسانی جذبات سے عاری ہوجاتا ہے۔ وہ اپنی عیش وعشرت میں مست رہتا ہے اگرچہ اس کے گردونواح ہزاروں مسلمان بھوک کی چکی میں پس رہے ہوں۔ اسے کسی سے کیا واسطہ؟ وہ اپنی عیاشیوں میں مگن ہے۔ ذرا سوچئے کہ ایسے افراد کا اسلام سے کیا تعلق کہ جو رات پیٹ بھر کر سوجائیں اور ان کے ہمسائے بھوک کی شدت اور اضطرار سے کروٹیں بدلتے رات آنکھوں میں کاٹ دیں؟

بیت المال کی جواب دہی اور احتیاط

ایک مرتبہ ایک نیک دل گورنر نے حضرت عمرؓ کے بیٹوں کو کچھ فائدہ پہنچانا چاہا جس میں بیت المال یا عامۃ الناس کا کوئی نقصان بھی نہ تھا مگر حضرت عمرؓ نے اس کی بالکل اجازت نہ دی۔ آپ کے دو بیٹے حضرت عبداللہ اور حضرت عبیداللہ لشکر اسلام کے ساتھ جہاد کے لئے عراق گئے۔ واپسی پر وہ بصرہ سے گزرے جہاں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ گورنر تھے۔ گورنر نے امیرالمومنین کے بیٹوں کی آؤ بھگت کی اور محبت سے اپنے پاس ٹھہرایا۔ پھر رخصت کرتے وقت کہا کہ ’’میرے پاس کچھ رقم ہے جو میں امیرالمومنین کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں۔ تم یہ رقم لے کر یہاں عراق سے مال تجارت خرید لو۔ مدینہ جاکر مال بیچ ڈالنا اور یہ رقم بیت المال میں جمع کرادینا۔ جو نفع ہوگا وہ تمہارا ہوگا‘‘۔ اسی مضمون کا ایک خط انہوں نے امیرالمومنین کے نام بھی لکھ دیا۔

جب امیرالمومنین کے بیٹے مدینہ پہنچے اور خبر دی تو آپ نے فوراً پوچھا: ’’کیا سارے لشکریوں کو گورنر نے رقم دی ہے کہ تجارت کرکے نفع کمالیں؟‘‘ انہوں نے کہا: ’’نہیں‘‘۔ فرمایا: ’’اچھا تو پھر راس المال اور اس سے حاصل ہونے والا سارا نفع بیت المال میں جمع کرادو‘‘۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ تو خاموش رہے مگر حضرت عبیداللہ

نے کہا: ’’امیرالمومنین آپ کا یہ حکم درست نہیں کیونکہ مال کے ضائع ہوجانے یا تجارت میں خسارہ ہوجانے کا احتمال بھی تھا۔ ایسی صورت میں ہم یہ رقم بیت المال کو لوٹانے کے ضامن تھے‘‘۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ’’حجت بازی مت کرو۔ بیت المال میں رقم اور منافع جمع کرادو‘‘۔ حضرت عبیداللہ نے اپنی بات دوبارہ دہرائی مگر حضرت عبداللہؓ خاموش رہے۔ اہل مجلس میں سے کسی صاحب رائے نے فیصلہ دیا کہ نفع میں سے نصف راس المال کے لئے اور نصف عاملین کے لئے ہونا چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے اس کے فیصلے کو قبول کرکے نصف منافع بیت المال میں جمع کرادیا اور نصف ان دونوں کو دے دیا۔

حضرت عمرؓ جس بات کی دوسروں کو اجازت نہ دیتے تھے اس کی اجازت اپنے بیٹوں کے لئے بھی جائز نہ سمجھتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کی تجویز غیر شرعی تجویز نہیں تھی مگر حضرت عمرؓ نے اپنے زہد وتقویٰ کے مقام سے اسے فروتر جانا اور رخصت کی بجائے عزیمت کی راہ کو ترجیح دی۔ ہر صاحب مرتبہ شخصیت کو چاہئے کہ وہ شکوک و شبہات کے کاموں سے اپنا دامن بچاکر رکھے۔ آپ کو خلافت کے مقام رفیع اور اس کے تقاضوں کا پوری طرح ادراک تھا۔ آپ خلافت کو ہر شک اورسوئے ظن کی گنجائش سے بلند و بالا رکھنے کے قائل تھے۔ اسی لئے آپؓ ذمہ داران حکومت کے معاملات کی کڑی نگرانی کیا کرتے تھے۔ اپنے اہل وعیال پر بھی ہمیشہ نظر رکھتے تھے کہ ان سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہوجائے جس کی بناء پر لوگوں کی انگلیاں اٹھنے لگیں کہ سربراہ مملکت کے اہل وعیال غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ آپؓ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ بظاہر معمولی معمولی چیزوں کو بھی آپؓ پوری اہمیت دیتے تھے۔ جو شخص سرحد کے اوپر پہنچ جائے اس کے لئے ہر وقت یہ خدشہ موجود رہتا ہے کہ وہ اس سے تجاوز بھی کرجائے گا۔ اس لئے عقل مند وہی ہے جو سرحد پر پہنچنے سے پہلے ہی اپنے قدم روک لے۔

زہدوسادگی

جس بات کا رعایا کو حکم دیتے تھے خلیفہ راشد سب سے پہلے خود اس پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ لوگوں کو سادگی اور زہد کی تلقین کرنے سے پہلے خود اسکا عملی نمونہ بن گئے تھے۔ حالت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ آپؓ کی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہؓ نے آپ کو توجہ دلائی کہ اپنے آپ پر اتنی مشقت نہ ڈالیں جس سے صحت ہی تباہ ہوجائے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ کو یاد دلایا کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے یار غار حضرت ابوبکر صدیقؓ کتنی سخت اور پُر مشقت زندگی گزارا کرتے تھے۔ جب کچھ واقعات کی یاددہانی انہوں نے کرائی تو حضرت حفصہؓ رونے لگیں، پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا ’’بخدا اگر مجھے توفیق ملے تو میں چاہتا ہوں کہ انہی کی طرح مشقت کی زندگی گزاروں تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے اخروی زندگی میں ان کا ساتھ عطا فرمائے جس میں وہ ان سے راضی اورخوش ہے‘‘۔

اسی سادگی اور زہد کے سائے میں اپنی خلافت کے دور میں آپؓ حج کے لئے نکلے اور کوئی خیمہ نہیں لگایا۔ دھوپ سے بچنے کے لئے کسی جھاڑی کی اوٹ میں بیٹھ جاتے۔ چمڑے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ساتھ تھا کبھی اس کا سایہ کرلیتے۔ تپتے ہوئے ریگستان میں وہ سایہ کیا حیثیت رکھتا تھا۔ آپؓ اس بات سے خائف تھے کہ اپنے لئے کوئی ایسا سایہ فراہم کریں جس کا مہیا کرنا رعایا کے ہر فرد کے لئے ممکن نہ ہو۔ ان کے پیش نظر سورج کی گرمی سے بچنا نہیں تھا بلکہ وہ اس گرمی سے بچنا چاہتے تھے جو سورج سے کہیں زیادہ گرم ہے جس کے مقابلے میں سورج کی تپتی ہوئی شعاعیں ٹھنڈی اورآرام دہ ہیں۔

اے کاش کہ مسلمان حکمران ان مثالوں کو اپنائیں۔ خود بھی خوش بخت ہوجائیں اور ان کے وجود سے معاشرہ بھی

سعادت مند ہوجائے۔ اس سے زیادہ سادگی اور زہد اور کیا ہوگا کہ حضرت عمرؓ کے کُرتے میں کئی پیوند لگے رہتے تھے۔

اگر ہر صاحب استطاعت مسلمان اپنے آپ سے پوچھے کہ کیا اس کے گردونواح میں لوگوں کو بنیادی ضروریات زندگی میسر ہیں اور اگر نہیں ہیں تو اس کی کیا ذمہ داری ہے تو امت مسلمہ کی حالت سدھر جائے۔ یہ احساس زندہ ہوجائے تو ہم یقیناً اس پستی سے نکل سکتے ہیں جس میں آج مبتلا ہیں۔ مصیبت تو یہ ہے کہ خواب غفلت میں پڑے ہوئے لوگ آنکھیں ہی نہیں کھولتے وہ ایسی نیند کا شکار ہیں جس کی کہیں مثال نہیں ملتی۔

حضرت عمرؓ خشک سالی کے زمانہ میں لوگوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ جن کے پاس کھانے پینے کا سامان ہو وہ ان لوگوں کو اپنی خوراک میں شامل کرلیں جن کے پاس ضروریاتِ زندگی کا سامان نہیں ہے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ جب تک اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو دور نہ کردے پوری خلافت اسلامیہ میں لوگوں کو اس بات کا اہتمام کرنا ہوگا۔

حضرت عمرؓ مفلوک الحال لوگوں سے زبانی ہمدردی کے قائل نہ تھے۔ زبانی ہمدردی سے بھوکے کا پیٹ نہیں بھرتا، نہ ننگے کو کپڑا ہی ملتا ہے۔ محرومی کا ذکر کردینا منفی سوچ ہے اور منفی سوچ بے بسی کی دلیل ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ ایسی بے بسی اختیار کرنا پسند نہ فرماتے تھے۔ آپؓ نے محروم لوگوں کے ساتھ فاقہ کشی اختیار کرنے کی بجائے ضروریات زندگی بقدر استطاعت سب کو فراہم کرنے کا راستہ اختیار کیا۔ یہ مثبت سوچ اور مسائل کا صحیح حل ہے۔ خدانخواستہ آج بھی اگر ایسی صورتحال پیدا ہوجائے تو لوگوں کو ضروریات زندگی مہیا کرنے کے لئے حضرت عمرؓ کی یہ فکر بہترین حل پیش کرسکتی ہے۔

آج کل کے حکمران اس قسم کے احکام نافذ کرنے سے قاصر ہیں اور اس کی وجہ قانون سازی کا فقدان نہیں بلکہ ضمیر زندہ اور حمیت دینی مفقود ہے۔ مسلمان حکمرانوں کو خشیت الٰہی اختیار کرکے اپنے مردہ ضمیر زندہ کرنے کی فکر کرنی چاہئے۔ یہ کامیابی اسی صورت میں حاصل ہوسکتی ہے جبکہ حکمران اپنی بھی اصلاح کرلیں اور اپنی رعایا کے دلوں میں بھی دینی جذبات اور دین کی طرف رجوع کی صفت پیدا کردیں۔

حضرت عمرؓ مسلمانوں کے بیت المال کے بارے میں اللہ سے بہت ڈرتے تھے۔ ایک مرتبہ حج کے لئے گئے اور مدینہ سے مکہ اور وہاں سے واپسی کا سفر صرف اسّی درہم میں مکمل کرلیا۔ اس کے باوجود اپنا محاسبہ کرنے لگے اور کف افسوس ملتے ہوئے کہا ’’ہم کتنے بے خوف ہوگئے ہیں کہ بیت المال میں اسراف کرنے لگے ہیں‘‘۔

دیکھا آپ نے حضرت عمرؓ نے کیا فرمایا۔ آج ہر ملک کا سرکاری قافلہ حجاج مسلمانوں کے بیت المال سے لاکھوں روپے خرچ کرتا ہے اور کسی کے ضمیر میں کوئی خلش پیدا نہیں ہوتی۔ حج جو سادگی اور زہد کا متقاضی ہے فضول خرچی کی علامت بن گیا ہے۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک سچائی اور مومنین کی بھلائی ہر چیز پر مقدم تھی۔ اس معاملے میں آپ کبھی سستی اور مداہنت نہ برتا کرتے تھے، خواہ حالات کیسے ہی نازک کیوں نہ ہوں۔

وطن کیا ہے؟

وطن کی تعریف کیا ہے؟ ریت اور مٹی کے ذرے اور زمین و آسمان کا وجود؟ نہیں، وطن اس سے زیادہ اعلیٰ و ارفع چیز ہے۔ یہ زمین اور اس کے باسی، ان کا معاشرتی ڈھانچہ اور روایات، آباؤ اجداد کی تاریخ اور کارنامے اور تاریخی ورثے اور یادگار واقعات کا مجموعہ ہے۔ وطن کا تصور ان لوگوں کے بغیر جو اس سے محبت کرتے اور اس پر اپنی جان چھڑکتے ہیں ناقص اور ادھورا ہے۔ جہاں قطعہ زمین سے محبت کا دعویٰ کیا جائے مگر اس زمین کے رہنے والوں کی عزت نفس اور انسانی حقوق پامال

ہو رہے ہوں وہاں نفرت پروان نہیں چڑھے گی تو کیا ہوگا؟ حب الوطنی اہل وطن کی کرامت و عزت کا نام ہے۔ حضرت عمرؓ اس اہم نکتے سے باخبر تھے۔ آپ نے اسے عملی طور پر لوگوں کے سامنے پیش کیا جسے مسلمانوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔

حضرت عمرؓ کے پاس ایک مرتبہ کہیں سے مال آیا۔ آپ وہ مال لوگوں کے درمیان تقسیم کر رہے تھے۔ لوگوں نے آپ کے گرد ہجوم کی صورت اختیار کرلی۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص لوگوں کو ادھر ادھر دھکیلتے ہوئے حضرت عمرؓ تک جا پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے اپنا درہ لہرایا اور حضرت سعدؓ کو ڈانٹتے ہوئے کہا ''تم لوگوں کو پیچھے ہٹا کر خود آگے بڑھ آئے ہو۔ زمین پر سلطان اللہ (خلافت) کے آداب کا پاس بھی تم نے ملحوظ نہیں رکھا۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں سبق سکھاؤں اور بتاؤں کہ سلطان اللہ تم سے مرعوب نہیں ہوسکتا۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ آپ کا مقام و مرتبہ اسلامی معاشرے میں مسلم تھا۔ حضرت عمرؓ ان سے محبت بھی کرتے تھے اور ان کی قدر افزائی بھی فرماتے تھے مگر آپ مربی تھے۔ آپ نے محسوس کیا کہ اپنی قدر و منزلت کی وجہ سے حضرت سعدؓ نے دوسروں کو پیچھے دھکیل کر ان کے حقوق پر دست درازی کی ہے۔ اس طرح تو شرفا کمزوروں کی حق تلفی کرنے لگیں گے اور ضعفا مایوسی کا شکار ہوجائیں گے۔ راعی اور رعیت کے درمیان تعلق اسی صورت میں مستقیم رہ سکتا ہے جبکہ سارے لوگوں کو ایک ہی نظر سے دیکھا جائے۔

حضرت عمرؓ بہت قابل اور مدبر انسان تھے۔ آپ جانتے تھے کہ ہر کام ٹھیک وقت پر ہونا چاہئے۔ ٹھیک فیصلہ بھی غلط وقت پر غیر موثر ہوجاتا ہے اور نظام حکومت کے موثر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہر شخص پر واضح ہوجائے کہ غلط کام کا بروقت نوٹس لیا جاتا ہے اور اس پر مناسب فیصلہ صادر ہی نہیں بلکہ نافذ بھی ہوجاتا ہے۔ دیرپا اور صالح نظام حکومت محکم اصولوں پر قائم ہوتا ہے اور رعایا کو بھی پوری طرح سے جان لینا چاہئے کہ اصولوں کی پابندی حکمران سے زیادہ خود ان کی اپنی مصلحت اور مفاد میں ہوتی ہے۔ جب کوئی نظام بن جائے تو پھر اس کے مطابق سارے امور سرانجام پانے چاہئیں۔

مثالی نظامِ حکومت

حضرت عمرؓ کی خلافت ہر پہلو سے مثالی تھی۔ ہر معاملے میں خلیفہ راشد اپنے آپ کو مسئول اور ذمہ دار گردانتے تھے اور رعایا کی ہر ضرورت کا خیال رکھتے تھے۔ نظم حکومت مضبوط بنیادوں پر قائم تھا۔ ادارے منظّم تھے۔ مواصلات کا نظام بہترین تھا اور راستے محفوظ اور بہترین انداز میں بنائے گئے تھے۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں سڑکیں بنتی ہیں تو اگلے دن ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں جبکہ اس دور میں سڑکیں بنتی تھیں تو مدتوں ان میں خرابی پیدا ہونے کا خطرہ نہ ہوتا تھا۔ مصر اور مدینہ کا فاصلہ بے پناہ تھا مگر حضرت عمرؓ کے ذہن رسا نے یہ فاصلہ پاٹ دیا اور وہ یوں کہ مصر سے غلہ لانے کے لئے بحری جہاز استعمال کئے۔ جہازوں کے ذریعے غلہ جار کی بندرگاہ تک لایا جاتا تھا۔ وہاں سے پھر اونٹوں پر لاد کر محفوظ سڑک کے ذریعے ایک دن اور ایک رات میں کارواں مدینہ پہنچ جاتا تھا۔ جار، بحر احمر پر بندرگاہ تھی۔ حضرت عمرؓ سے قبل مصر سے حجاز تک سارا سفر صحرا اور خشکی کے ذریعے ہوتا تھا جو بڑا مشکل تھا اور اس میں کافی عرصہ بھی لگتا تھا۔

حضرت عمرؓ کے دور میں آپ کا گھر ہر شخص کے لئے جائے قرار تھا۔ حاجت مندوں کے لئے آپ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ جو شخص آتا اس کا استقبال ہوتا تھا اور اس کی داد رسی کی جاتی تھی۔ کسی کو کسی دوسرے پر فضیلت نہ تھی۔ ایک اصول تھا جس سے ہر خاص و عام واقف تھا کہ جو زیادہ نیک اور متقی تھا وہ زیادہ معزز و محترم سمجھا جاتا تھا۔ جس نے اعمال خیر اور جہاد اسلامی میں زیادہ خدمات سرانجام دی تھیں

وہ دوسروں پر فوقیت رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا معیار نہ تھا جس سے لوگوں کا مرتبہ متعین کیا جاتا۔

جب حقداروں کو ان کا حق نہ ملے اور صاحب استحقاق کے مقابلے میں بااثر لوگوں کو ترجیح دی جانے لگے تو فساد پھیل جانا فطری امر ہے۔ حکمران اگر یہ اصول پیش نظر رکھیں کہ جس شخص نے امت کے لئے زیادہ قابل قدر خدمات سرانجام دی ہیں اس کی عزت افزائی اور قدر کی جائے تو اس سے بہت صحت مند رجحان پروان چڑھتا ہے۔ لوگ نیکی اور خیر کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نیکیاں برائیوں پر غالب آجاتی ہیں۔

حضرت عمرؓ کا معاملہ اپنی رعایا کے ساتھ محض حاکم و محکوم کا معاملہ نہ تھا۔ آپ نے محض اپنے جسم کو ہی دن رات لوگوں کی خدمت کا خوگر نہ بنا رکھا تھا بلکہ آپ کے قلبی جذبات اور ہمدردی و محبت کا احساس ہر لمحے آپ کو رعایا کی خدمت اور بھلائی کے لئے سرگرم رکھتے تھے۔ عوام الناس کی خوشی اور غم میں آپ برابر شرکت فرمایا کرتے تھے۔ ان کے دکھ بانٹتے اور مصائب پر انہیں تسلی دے کر صبر کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ بیماروں کی عیادت اور مصیبت زدوں کی اعانت کے لئے ان کے گھروں میں تشریف لے جاتے۔ کوئی حادثہ کسی فرد امت کو پیش آجاتا تو سب سے پہلے اسے اظہار ہمدردی کے لئے آنے والا خود خلیفہ وقت ہوا کرتا تھا۔

یہی وہ شخصیت ہیں جن کے بارے میں نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

’’اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان پر حق جاری فرما دیا ہے اور عمرؓ کے دل کو حق کا مسکن بنا دیا ہے۔‘‘

اس عظیم منقبت اور بشارت کے باوجود حضرت عمرؓ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے تھے۔ خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے نہایت عجز و انکسار سے دعا مانگی:

’’اے مولائے کریم اگر تو نے مجھے خوش بخت لوگوں میں شامل فرمایا ہے تو میری اس حالت کو ثبات عطا فرما دے اور اگر تو نے مجھے بدبخت لوگوں میں لکھ دیا ہے تو اس فیصلے کو منسوخ کر دے اور مجھے اہل سعادت و مغفرت میں شامل فرما۔ بے شک تو جو چاہے لکھ سکتا ہے اور جو چاہے مٹا سکتا ہے۔ تیرے پاس ام الکتاب ہے‘‘۔

اس عظیم صحابی رسول ﷺ کی خدمت میں، میں کیا ہدیہ پیش کرسکتا ہوں! میری بساط و اوقات کیا ہے؟ میں تو ذخیرہ نبوی ﷺ میں سے یہ قول پیش خدمت کرتا ہوں کہ اس سے بہترین ہدیہ شاید کوئی نہ ہوسکے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

’’یوم عرفہ کے موقع پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر عمومی انداز میں فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے اور عمرؓ بن خطاب پر خصوصی انداز میں نظر کرم ہوتی ہے‘‘۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلنے اور ہمارے حکمرانوں کو ان کے طرز حکومت کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ ❁❁❁

انتقالِ پُرملال: گذشتہ ماہ محترم پروفیسر محمد نصراللہ معینی (ڈائریکٹر FMRi) کے داماد اور ماہنامہ دختران اسلام کی مجلس ادارت کی ممبر محترمہ سعدیہ نصراللہ کے شوہر محترم حافظ ظہور احمد (موڑ کھنڈا۔ ننکانہ) ایک ٹریفک حادثہ میں شہید ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری، محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، محترم امیر تحریک، محترم ناظم اعلیٰ اور جملہ مرکزی قائدین و سٹاف ممبران نے اس عظیم سانحہ پر محترم پروفیسر معینی صاحب سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے مرحوم کی مغفرت و بخشش کیلئے خصوصی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات کو بلند فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل و اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

جگر گوشۂ بتولؑ نواسۂ رسول ﷺ

حضرت امام حسینؑ کی بارگاہ میں

مشاہیر عالم کا خراجِ عقیدت

منیر احمد ملک ۔ مظفر گڑھ

10 محرم ۶۱ھ کو میدان کربلا میں حق و باطل کا سب سے بڑا اور تاریخی معرکہ ہوا۔ اس واقعہ کا تعلق براہ راست دین اسلام سے تھا۔ جب ایک فاسق و فاجر نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر احکامات الٰہی اور احکامات رسول اللہ ﷺ کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرنا شروع کردی تو پاسبان دین، نواسہ رسول اور جگہ گوشہ بتولؑ نے اسلامی قدروں کو پامال کرنے والوں اور اسلام دشمن قوتوں کا راستہ روکنے اور دین حق کی آبرو بچانے کے لئے خاک وخون کا غسل کیا اور لا الہ کے جھنڈے کو سرنگوں ہونے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بچالیا۔ یہی وجہ ہے کہ نواسہ رسول ﷺ کی شہادت بنی نوع انسان کے لئے حق و باطل کی پہچان کا عظیم پیمانہ ہے۔

دنیا میں بسنے والے ہر رنگ ونسل اور ہر طبقہ خیال کے افراد جن میں مذہبی پیشوا، قومی رہنما، مؤرخ، ادیب اور شاعر شامل ہیں۔ ان تمام نے اپنے اپنے انداز میں امام عالی مقامؑ کے مقدس مشن کو سراہا اور ان کی بارگاہ میں اپنا نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔ ذیل میں انہی مشاہیر عالم میں سے چند ایک کے خراج عقیدت بحضور امام عالی مقام نذرِ قارئین ہیں:

۱۔ شریمتی سروجنی نائیڈو

’’تاریخ انسانیت میں بہت کم نام ایسے ہیں جیسے کہ حسینؑ کا نام ہے اور بہت کم کہانیاں اتنی دلآویز ہیں جتنا کربلا کا المیہ۔ اس اثر آفریں معرکہ میں وہ غیر فانی قوت موجود ہے کہ وہ عالم کو متحرک کردے اور دوسروں کو بصیرت دے۔۔۔ مجھے فخر ہے کہ ان لاکھوں انسانوں میں میرا نام بھی شامل ہے جو حضرت امام حسینؑ کے کارنامے کی یاد نہایت ادب واحترام سے پوری دنیا میں منا رہے ہیں۔ کربلا کا المیہ تیرہ سو سال پرانا ہے اس کے باوجود تازہ ہے اور اتنا ہی دل گداز ہے جتنا اس دن تھا جب اسلام کے عظیم ترین راہنما کو شہید کیا گیا۔ شاید ہی کسی ہستی کو غیر فانی شوکت نصیب ہو جیسی حسینؑ نے پائی۔ افق پر ان کا نام روشن ستارے کی مانند جگ مگ جگ مگ کررہا ہے‘‘۔

۲۔ ایف سی بنجمن (مؤرخ)

’’اسلام کا جانباز ہیرو اور حضرت محمد ﷺ کے محبوب نواسے حسینؑ ابن علیؑ کے نام پاک میں اتنا تقدس ہے کہ اس کا اسم مبارک سن کر مخالفین اسلام کے سر ایک دفعہ ضرور خم ہوجاتے ہیں اور یہ شہید اعظم حسینؑ کا ایک ایسا اعجاز ہے جس سے کسی کو انکار کی مجال نہیں‘‘۔

۳۔ مقبول عیسیٰ (مؤلف حیات ابدی)

’’اگر مسلمان یہ کہتے ہیں کہ حسینؑ جنت کے سردار ہیں تو وہ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ جس بلند مرتبہ انسان

نے دنیا میں سرداری کی ہے اور حق نے اسے منصب امامت پر فائز کیا، وہ جوانان جنت کا سردار کیوں نہ ہوگا۔ جنت کی سرداری کی یہی سند ہی ہے کہ محمد ﷺ نے خود انہیں جنت کے سرداروں میں سے کہا ہے اور یہ مژدہ انہوں نے خدا سے خبر پاکر سنایا تھا۔ سرداری کی دوسری دلیل یہ ہے کہ آج بھی اہل ایمان ان کا نام نامی سن کر ادب سے سر تسلیم خم کردیتے ہیں اور میرے جیسے غیر مسلم بھی انکی شان میں مدح و ثنا خواں نظر آتے ہیں۔ مجھے مسیحؑ کی قسم میرے دل میں حضرت فاطمہؑ کی حضرت مریمؑ سے زیادہ عزت اور حسینؑ کا مسیحؑ سے زیادہ احترام ہے‘‘۔

۴۔ تھامس کارلائل

مشہور مصنف اپنی کتاب Heroes and Heroes Worships میں لکھتا ہے کہ

’’کربلا کے المیے سے ہمیں سب سے بڑا سبق یہ ملتا ہے کہ امام حسینؑ اور آپ کے ساتھیوں کو خدا تعالیٰ پہ یقین کامل تھا۔ آپؑ نے اپنے عمل سے ثابت کر دکھایا کہ حق و باطل کی کشمکش میں تعداد کی برتری کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ قلیل تعداد میں ہوتے ہوئے بھی حسینؑ کی کامیابی نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔ علاوہ ازیں ہمیں قومی غیرت اور حمیت کا سبق ملتا ہے جو کسی اور تاریخ میں نہیں۔ وہ اپنی آنکھوں سے اس دنیا سے بہتر ایک دنیا دیکھ رہے تھے جس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ جب دنیا میں ظلم وستم بڑھ جائے تو تب خدا کا قانون قربانی کا طلبگار ہوتا ہے اور اس کے بعد سارے راستے کھل جاتے ہیں‘‘۔

۵۔ کے۔ سی۔ جان

امریکی مؤرخ اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ

’’امام حسینؑ کو قدرت نے اتنا بے پناہ صبر عطا کیا تھا کہ ان کے استقلال کی مثال کسی دوسرے انسان میں نہیں مل سکتی ہے۔ آپؑ کا عزم و ارادہ پہاڑ کی طرح مضبوط تھا اور آپ جو کچھ کہتے تھے وہ کرکے دکھاتے تھے اور جو کرتے تھے اسے انجام تک پہنچاتے تھے۔ آپؑ کی پامردی اور بہادری رہتی دنیا تک سنہری حرفوں سے مگر آپؑ کی تکالیف ومشکلات، مصائب و آلام خون سے لکھے جائیں گے‘‘۔

٦۔ ڈاکٹر اینی بیسنٹ

مشہورِ عالم سوشل ورکر ڈاکٹر اینی بیسنٹ نے حسینی کردار کے خوبصورت پہلو سے متاثر ہوکر اپنی مشہور کتاب ’’ہیروز آف دی ورلڈ‘‘ میں لکھا ہے کہ

’’کربلا میں حسینؑ و یزید کی جنگ درحقیقت حق و باطل کا ایک ناقابل فراموش تصادم تھا۔ دونوں قوتیں اپنی اپنی خصوصیات کی منتہائے کمال پر تھیں۔ یزید نے ظلم و استبداد کی وہ صورت پیش کی جس نے دنیا کی بدترین وحشت و بربریت کو شرمادیا اور حسینؑ نے حق پسندی و نیکو کاری کا وہ بہترین نمونہ پیش کیا جس نے دنیا کی روشن ترین رومانیت کو اپنی چمک سے ماند کردیا‘‘۔

۷۔ میور مابین (مشہور جرمن مؤرخ و مصنف)

’’حسینؑ سے پہلے بھی خدا کے پیارے بندوں پر ظلم ہوا ہے اور وہ شہید کئے گئے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مگر کسی میں یہ نہیں کہ کسی شخص نے دین کی ترویج کے لئے اپنی ذات کو، اپنی اولاد کو شہادت کے لئے پیش کیا۔

☆ ’’حسینؑ اپنے زمانے میں سیاست میں بڑا درجہ رکھتے تھے لیکن اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ دین داروں اور دیانت داروں میں سے کسی شخص نے بھی ایسی سیاست اختیار نہیں کی۔ آپ کا مقصد اقتدار ریاست کا حصول نہیں تھا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو صاف صاف فرمادیا تھا کہ جو لوگ میرے ساتھ جاہ و جلال کی طمع میں جانا چاہتے ہیں وہ میرا ساتھ چھوڑ دیں اور مجھ سے جدا ہوجائیں۔ حسینؑ کی شہادت حکیمانہ اور سیاسی تدبر کا شاہکار واقعہ ہے اور سب تاریخی واقعات پر اسے فضیلت برتری اور فوقیت حاصل ہے‘‘۔

۸۔ منشی پریم چند

’’معرکہ کربلا دنیا کی تاریخ میں پہلی آواز ہے اور شاید آخری بھی جو مظلوموں کی حمایت میں بلند ہوئی اور جس کی صدا آج تک فضائے عالم میں گونج رہی ہے‘‘۔

۹۔ سوامی شنکر اچاریہ

’’میں نے حسینؑ سے بڑھ کر کوئی شہید نہیں دیکھا اور حسینؑ کی شہادت کے اثر سے زیادہ کسی قربانی کا اثر نہیں دیکھا اگر حسینؑ نہ ہوتے تو دنیا سے اسلام ختم ہوجاتا اور دنیا ہمیشہ کے لئے نیک بندوں سے خالی ہوجاتی‘‘۔

۱۰۔ ایڈورڈ گبن (مشہور مغربی مورخ و مصنف)

’’بعید ترین زمانوں اور بعید ترین اقلیموں میں بھی حسینؑ کی موت کے اندوھناک مناظر ٹھنڈی طبیعت کے آدمی میں بھی ہمدردی کے شعلے پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ امام حسینؑ کا پُر درد واقعہ ایک دور دراز ملک میں ہوا، یہ واقعہ ہر بے رحم اور سنگدل کو ہلا دیتا ہے۔ شہادت حسینؑ کا منظر ہمیشہ کے لئے پتھر سے پتھر دلوں کو پگھلاتا اور ہمدردی حاصل کرتا رہے گا‘‘۔

۱۱۔ جیمس کارکرن (مصنف تاریخِ چین)

’’کس کے قلم کو قدرت ہے کہ امام حسینؑ کا حال لکھے۔ کس کی زبان میں یہ لطافت و بلاغت ہے کہ ۷۲ بزرگواروں کی ثابت قدمی اور شجاعت و قربانی کی مدح کرسکے۔ جب حسینؑ اور ۷۲ تنوں کو متعدد دشمنوں نے گھیر رکھا تھا، اس پر بھی ان کے پائے استقلال میں ذرہ بھر جنبش نہ ہوئی۔ اسی امر واقعہ پر میں نے آپ کی مدح کی ہے۔

☆ دنیا میں رستم کا نام بہادری کے لئے مشہور ہے لیکن بعض شخصیتیں ایسی گزری ہیں جن کے سامنے رستم کا نام وہی لے گا جو واقعہ کربلا اور تاریخ سے ناواقف ہوگا۔ بہادری میں اول درجہ کا مرتبہ حسینؑ ابن علیؓ کا ہے‘‘۔

۱۲۔ جی۔ بی۔ ایڈورڈ

’’تاریخ میں ایک باکمال ہیرو کا نام جگمگاتا نظر آتا ہے جس کو حسینؑ کہا جاتا ہے۔ محمد ﷺ کا نواسہ، علیؑ و فاطمہؑ کا بیٹا حسینؑ لاتعداد صفات و اوصاف کا مالک تھا۔ جس کے عظیم و اعلیٰ کردار نے اسلام کو زندہ کردیا اور دین خدا میں نئی روح پھونک دی۔ حق تو یہ ہے کہ اگر اسلام کا یہ سورما میدان کربلا میں اپنی شجاعت کے جوہر نہ دکھاتا اور ایک پلید ولعین حکمران کی اطاعت قبول کرلیتا تو آج محمد ﷺ کے دین کا نقشہ کچھ اور نظر آتا۔ وہ بھی اس طرح کہ نہ تو قرآن ہوتا نہ اسلام ہوتا، نہ ایمان و ایقان ہوتا، نہ رحم و انصاف اور نہ لطف و کرم، نہ مہر و وفا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ انسانیت کا نام و نشاں تک دکھائی نہ دیتا۔ ہر جگہ وحشت و بربریت اور درندگی کا راج ہوتا‘‘۔

۱۳۔ ایس گلبرٹ

’’پیغمبر عربی حضرت محمد ﷺ کے لاڈلے نواسے اور خلیفہ برحق حضرت علیؑ کے صاحبزادے حسینؑ کو دشت کربلا میں جس بیدردی سے مارا گیا اس کے عزیزوں، اس کے بیٹوں اور اس کے ساتھیوں کو جس بے رحمی سے جو رو جفا کی کند چھری کے ساتھ ذبح کیا گیا، یہ اسلامی تاریخ کا اتنا بڑا سیاہ داغ ہے جو قیامت تک نہیں مٹ سکتا۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ رسول ﷺ نے جس حسینؑ کے ناز اٹھائے اور جس کو جنت کی بادشاہت سونپی گئی، اس کو کافروں اور مشرکوں نے نہیں بلکہ کلمہ گو مسلمانوں نے تہ تیغ کرکے اس کا سر نیزے پر چڑھایا۔ یزیدیوں کے ظلم و ستم کی ایسی مثال تاریخ عالم میں بہت کم ملے گی‘‘۔

۱۴۔ جے آر رابنسن

’’حسینؑ نے سینکڑوں مشکلات کے باوجود اپنے اصولوں اور اسلامی نظام حکومت کی حفاظت کی۔ ان کی

قربانی قوموں کی بقا اور جہاد زندگی کے لئے ایک ایسی مشعل ہے جو ابدالآباد تک روشن رہے گی‘‘۔

۱۵۔ پنڈت جواہر لال نہرو

’’تاریخ کا ایک سبق اور واقعہ وہ عظیم جادوئی اثر ہے جو کربلا کے غم انگیز سانحہ سے دنیا اسلام پر مرتب ہوا۔ یہ انتہائی مخالف ماحول میں انسانی قوت ارادی کی فتح ہے۔ کربلا کے المیہ نے انسانی دنیا پر لافانی اثر چھوڑا ہے جس کی تاریخ شاہد ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اتنی صدیاں گزرنے کے بعد بھی لاکھوں انسانوں کے دلوں پر ان کا اثر ہے۔ حضرت امام حسینؑ کی قربانی اور جرأت کے کارناموں نے گذشتہ تیرہ صدیوں میں بے شمار انسانوں پر بڑے دور رس اثرات ڈالے ہیں۔ ان کے کارناموں کی یادمنانے میں شمولیت میرے لئے باعث سعادت ہے‘‘۔

۱۶۔ ایف سی اوڈونیل

’’اگرچہ یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے مذہب کی حفاظت کے لئے خدا تعالیٰ کے راستے میں قربان ہوگئے۔ یہ ٹھیک ہے انہوں نے اللہ کے دین کو بچاتے ہوئے سر دھڑ کی بازی لگادی اور ایسی فداکاری دکھا دی کہ جس کا نمونہ دنیا کی کسی تاریخ میں نہیں ملتا۔ اگر آپؑ مذہب اور انسانیت کو محفوظ رکھنے اور سربلند کرنے کے لئے جان نہ دیتے تو آج نہ تو کہیں دین حق کا نشان نظر آتا اور نہ کہیں انسانیت کا سراغ ملتا‘‘۔

۱۷۔ لارڈ ہیڈلی

’’امام حسینؑ نے کربلا کے میدان میں نہایت نہ تھکنے والی جدوجہد کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کے احکام کی طرف متوجہ کیا اور بتایا کہ حق پر ثابت رہنے کی سعی کرنا انسان کا اولین فرض ہے۔ آپؑ نے اسلام کی بقا کے لئے جان قربان کردی اور ہمیشہ کے لئے صفحہ ہستی پر سنہری حروف سے مرقوم ہوگئے‘‘۔

۱۸۔ نطشے (مشہور جرمن فلسفی)

’’تخلیق کی معراج زہد وتقویٰ کی بزرگی میں ہے لیکن شجاعت میں تخلیق کا تاج ہے۔ زہد، تقویٰ اور شجاعت کا حسین سنگم خاکی انسان کے عروج کی انتہا ہے جس کو کبھی زوال نہیں آئے گا۔ اس کسوٹی کے اصول پر امام عالی مقام نے اپنی زندگی بامقصد اور عظیم قربانی دے کر ایسی مثال پیش کی جو کہ دنیا کی قوموں کے لئے ہمیشہ راہنمائی کرتی رہے گی‘‘۔

۱۹۔ مسٹر کیل (امریکی فلاسفر و ادیب)

’’یزید نے کربلا میں ایسی بدترین شکست کھائی جس کا اثر قیامت تک اس کے خاندان سے دور نہیں ہوسکتا۔ اس سے زیادہ شرمناک بات اس کے لئے اور کیا ہوسکتی ہے کہ دنیا کا کوئی بدترین فرد بھی اپنے آپ کو اس کی طرف منسوب کرنا پسند نہیں کرتا۔ مسلمانوں میں اس سے زیادہ منحوس کوئی دوسرا نام نہیں۔ ظلم اور یزید گویا دو مترادف لفظ بن گئے ہیں۔

اس کے برعکس حسینؑ نے وہ حیرت انگیز اور نمایاں فتح حاصل کی ہے جس کا اثر روز حشر تک دنیا میں باقی رہے گا۔ ان کی اس سے زیادہ اور کیا عزت ہوسکتی ہے کہ ہر حق پسند انسان اپنے دل میں ان کے لئے محبت محسوس کرتا ہے۔ ان کا دل سینے میں ان کی عقیدت سے دھڑکتا ہے۔ گویا حسینؑ اور حق پرستی دو ہم معنی لفظ ہیں‘‘۔

۲۰۔ ڈاکٹر ع مرقس

’’میں اسلام کی عظیم ترین شخصیت حسینؑ ابن علیؓ کا اس طرح احترام کرتا ہوں جس طرح مسیحؑ ابن مریمؑ کا۔ حسینؑ نے کربلا کے تپتے ہوئے ریگ زار میں عظیم شجاعت و بسالت کا مظاہرہ کیا۔ میدان نینوا میں انہوں نے خدا داد قوت و بہادری کا جو لوہا منوایا اس کی مثال دنیا نے نہ اس سے پیشتر دیکھی نہ سنی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حسینؑ میں ایک ایسا جوہر تھا جو خداوند تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کو عطا نہیں کرسکتا اور آپ کے کردار سے صاف واضح ہوتا

ہے کہ ان کی تخلیق اس نور خداوندی سے ہوئی تھی جس نور سے محمد ﷺ اور علیؑ کو خلقت فرمایا گیا تھا اور اسی لئے محمد رسول اللہ ﷺ نے آپ کی شان میں فرمایا کہ ''حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں''۔

۲۱۔واشنگٹن ارونگ

''دسویں محرم الحرام 61ھ اس عدیم المثال لڑائی کی تاریخ ہے جب ہزاروں کی تعداد کی فوج کے ساتھ 72 نفوس کا زندہ رہنا محال تھا۔ زندگی ختم ہونے کا پورا پورا یقین تھا۔ نہایت آسانی کے ساتھ ممکن تھا کہ امام حسینؑ یزید کی تمنا کی موافقت میں بیعت کرکے اپنی جان بچالیتے مگر اس ذمہ داری کے خیال سے جو اس مذہبی مصلح کی طبیعت میں رچا ہوا تھا، اس امر کو اثر انداز نہ ہونے دیا اور آپ نے اپنے آپ کو نہایت مصیبت اور تکلیف کے باوجود مثالی صبرو استقامت پہ قائم رکھا۔ چھوٹے بچوں کا قتل، زخموں کی اذیت، عرب کی گرم دھوپ اور قیامت کی سی گرمی میں بھوک اور پیاس ایسی تکلیفیں تھیں جو سلطنت کے شوق میں کسی بھی آدمی کو اپنے ارادے پر قائم نہیں رہنے دیتیں۔ امام حسینؑ نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اگر میں نے بیعت کرلی تو یقیناً سارا عالم اسلام میرے ساتھ یزید کی بیعت کرلے گا چنانچہ انہوں نے نہایت صدق دلی اور جوانمردی سے تمام مصیبتوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا''۔

۲۲۔ڈاکٹر کرسٹوفر

''کاش دنیا امام حسینؑ کے پیغام، ان کی تعلیم اور مقصد کو سمجھے اور ان کے نقش قدم پر چل کر اپنی اصلاح کرے''۔

۲۳۔ سرجارج تھامسن

''کوئی ہے جو امام حسینؑ کی حق وصداقت کو بلند کرنے والی اس لڑائی کی تعریف کئے بغیر رہ سکتا ہو۔ دوسروں کے لئے جینے کا اصول اور کمزور اور دکھیوں کی امداد کو اپنی زندگی کا مقصد بنانے کا بے مثل کارنامہ امام حسینؑ کی بے لوث شخصیت سے زیادہ روشن دوسری کسی جگہ نہیں مل سکتا''۔

۲۴۔مہاتما گاندھی جی

''میں حضرت امام حسینؑ کی عظیم قربانی کے سامنے اس لئے سر جھکاتا ہوں کہ انہوں نے پیاس کی تکلیف اور موت کو نہ صرف اپنے لئے بلکہ اپنے بیٹوں کے لئے بلکہ پورے خاندان اور دوستوں کے لئے قبول کرلیا لیکن ظالم کے آگے سر نہیں جھکایا۔ مجھے یقین ہے کہ اسلام کا فروغ تلوار کے ذریعہ نہیں ہوا بلکہ قربانی کے ذریعہ ہوا ہے۔ میں نے کربلائی داستان اس وقت پڑھی جب میں نوجوان ہی تھا، اس نے مجھے دم بخود کردیا۔ میں نے کربلا کے ہیرو کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا تو مجھے یقین ہوگیا کہ ہندوستان کی نجات حسینی اصولوں پر عمل کرنے سے ہوسکتی ہے''۔

آخر میں محسن نقوی کا امام عالی مقام کے حضور نذرانہ عقیدت پیشِ خدمت ہے:

آں امام عاشقاں پور بتولؑ

حسینؑ مصحفِ ناطق خطیبِ نوک سناں
کہاں سے لفظ تراشوں میں کیا کلام کروں
نظر پڑے ترے نقشِ قدم کی خاک جہاں
وہیں پہ نصب میں ادراک کے خیام کروں
جو رزق نطق عطا ہو ترے کرم سے مجھے
تو میں بھی آرزوئے جرأتِ سلام کروں
نہ پوچھ اپنی سخاوت کے ایک پل کا اثر
جو بن پڑے تو زمانے اسیرِ دام کروں
ملے جو اذن تو دے کر تجھے خراجِ حیات
میں اپنی بخشش پیہم کا اہتمام کروں
جہاں پناہ! تری نذر کرکے لفظ اپنے
خمارِ اجر سے لبریز دل کا جام کروں
قسیمِ کوثر و زم زم غرورِ تشنہ لبی
فراتِ فکر کی ہر موج تیرے نام کروں
(محسن نقوی) ❁❁❁

عہدِ حاضر کا انسان پریشان کیوں؟

احسان حسن ساحر

عہد حاضر کا انسان جہاں کائنات کو تسخیر کرنے اور عالم پست و بالا کے سربستہ اسرار و رموز کو جاننے کی کوشش میں شب و روز مصروف عمل ہے وہاں اپنی ذات سے بیگانہ، بدحواسی کا شکار اور اپنے حالات سے نالاں ہمہ وقت پریشان دکھائی دیتا ہے۔ جسے دیکھو اپنی جگہ بے سکون، ہراساں اور سہما سہما سا نظر آتا ہے جیسے کوئی ہلاکت خیز طوفان اس کا تعاقب کررہا ہے جو آناً فاناً اسے تباہ و برباد کرکے رکھ دے گا۔ جس کسی کو بھی دوسرے سے بات کرنے کا موقع ملتا ہے اپنے غم اور دکھوں کی داستان اس کے لبوں پر آجاتی ہے اور پھر جذبات کی رو میں بہہ کر بولتا ہی چلا جاتا ہے۔

غریب ہو یا امیر، قلاش ہو یا سرمایہ دار، صحت مند ہو یا بیمار، مرد ہو یا عورت، ناخواندہ یا خواندہ، برسر روزگار ہو یا بیکار، ہر کوئی زندگی تو بسر کررہا ہے مگر لحہ لحہ اضطراب، ذہنی خلفشار اور بے چینی اسے گھیرے ہوئے ہے۔ حلقہ یاراں اور قرابت داروں میں اپنی وضع داری کا جھوٹا بھرم رکھنے کے لئے وہ اپنے چہرہ پر کھوکھلے اور مصنوعی قہقہے سجالیتا ہے۔ دوسروں کا ساتھ دینے کے لئے مجبوراً ان کی ہنسی میں اپنی غم زدہ ہنسی ملانا پڑتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس تمام پریشان کن صورت حال کی اصل وجہ اور بنیادی سبب دین مبین سے ہماری لاتعلقی اور عدم توجہی ہے۔ جب کسی بھی انسان کے قلب و ذہن پر اس عدم التفاتی کی چھاپ لگ جائے تو فطرت کا اصول ہے کہ وہ وحشت و خوف کے ہیبت ناک کالے سائے اس پر مسلط کردیتی ہے اور اس کی طبعی حیات گونا گوں مایوسیوں اور خرابیوں کی نذر ہوتی چلی جاتی ہے۔

عصر حاضر میں رونما ہونے والے روزمرہ حادثات، بم دھماکے، قتل و غارت گری کے المناک واقعات اور پورے خطہ زمین پر اقوام عالم کا مختلف محاذوں پر باہمی تصادم (CLASH) مقابلہ، مقاتلہ و محاربہ کا یہ لامتناہی سلسلہ، باہمی عفو و ترحم کا فقدان اور ضبط و تحمل کی کمی اسی دین اسلام سے لاتعلقی کا ردعمل ہے۔ ہم روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ معاشرتی اور تمدنی سطح پر انسان بلاتخصیص یاس و قنوطیت کا بری طرح شکار ہے۔ اولوالعزمی، بلند حوصلگی اور جوش و جذبہ آہستہ آہستہ دم توڑتا چلا جارہا ہے۔ شریک حیات کے انتخاب کا مسئلہ ہو یا تحصیل علم کا منصوبہ۔۔۔ فلاحی جہتوں پر خاندان کی تشکیل کا معاملہ ہو یا اولاد کی بہتری اور صحت مند تربیت کا پروگرام۔۔۔ ہر قدر نے اپنا اپنا رنگ ڈھنگ بدل کر ایک عجیب مضحکہ خیز شکل اختیار کرلی ہے۔

اس حیرت انگیز تغیر نے حضرت انسان کو ورطۂ

ہم فکر معاش میں سرگرداں ہوکر کثرت و تکاثر کی تصویر تو بن گے مگر فکرِ معاد کے حصول سے یکسر غافل اور بیگانے رہے

حیرت میں تو ڈال دیا ہے مگر اسکا ذہن اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے قاصر و معذور ہے کہ یہ تمام تر عوامل و معاملات اس کی اپنی ہی پیداوار ہیں۔ اب جبکہ سراسیمگی اور اضطراب روزبروز بڑھتا چلا جارہا ہے تو اس کو ختم کرنے کے لئے اجتماعی اور عالمی سطح پر کوئی نتیجہ خیز لائحہ عمل اختیار کرکے راہ نجات تلاش کرنا وقت کا اولین تقاضا اور انسانی برادری کی پہلی ترجیح ہے۔ اس سے ہر فرد سکون و اطمینان کی زندگی اور سعادت مندی کے دن گزار سکے گا۔

موجودہ دور کا ہر انسان روحانی سکون اور قلبی راحت کا متمنی ہے اور اس کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہے۔ اکثر اوقات وہ اس مقصد کے حصول کے لئے ناجائز، فرسودہ اور عارضی سہارے بھی تلاش کرتا ہے مثلاً سگریٹ نوشی کرکے دھوئیں کے مرغولے بناکر ان سے دل کو بہلانے کی کوشش کرتا ہے۔۔۔کبھی جام وصبو کی محافل میں جاکر دل کی راحت کا سامان کرتا ہے۔۔۔نوجوان نسل موسیقی کے آلات آرکسٹرا، پیانو اور دیگر الیکٹرک آلات کی مدھر دھنوں میں لذت قلب اور روح کی غذا کے سامان تلاش کرتی پھرتی ہے۔

لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ ذرائع اور شیطانی حربے ایک طفلانہ سوچ، جاہلانہ فکر اور سراسر تباہی کے سامان ہیں۔ جب تک ہمیں اپنے دین مبین کے جملہ اسرار و رموز، شریعت اسلامیہ کی چاشنی، احکام ربانی کی حلاوت اور مصلحتوں کی اہمیت و افادیت حاصل نہیں ہوتی، روحانی سکون اور اطمینان قلب ونظر کا حصول ناممکن ہے۔ لادینیت حیاتِ انسانی کی بےمعنویت کی دلیل ہوتی ہے۔ جو بشر بھی لادین ہے اس نے گویا اپنی چند روزہ زندگی کو گناہوں کی آگ میں جھونک رکھا ہے۔ وہ انسان جو کسی بھی اسلامی ضابطے کا اطلاق اپنے وجود پر نہ ہونے دے اور ہر حکمِ ربی کی تعمیل میں اپنی ذات کا استثنٰی چاہتا ہو تو وہ اس حیوان سے بھی بدتر ہے جو اخلاق و ضابطے سے بے پرواہ رہ کر ننگ دھڑنگ اپنی ساری زندگی بسر کردیتا ہے۔ دین کی سمجھ ہی انسان کو اصل عنوان حیات سے روشناس کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے علم حاصل کرنے کو فرض قرار دیا ہے اور قرآن کا علم رئیس العلوم کا درجہ رکھتا ہے اور اسی علم میں سکونِ قلب اور راحتِ جاں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ. (الرعد:۲۸)

’’جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے‘‘۔

اور جو بدبخت علمِ قرآن کے حصول اور ذکرِ الٰہی سے انحراف کرے، اس کے لئے یہ وعید ہے:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا .

’’اور جس نے میرے ذکر (یعنی میری یاد اور نصیحت) سے روگردانی کی تو اس کے لیے دنیاوی معاش (بھی) تنگ کردیا جائے گا‘‘۔ (طٰہٰ:۱۲۴)

روزمرہ مشاہدات و واقعات اور معمولات و معاملات اس حقیقت کی توثیق کررہے ہیں کہ انسانی زندگی کی حدود روز بروز سمٹتی چلی جارہی ہیں اور قافیہ حیات بھی تنگ سے تنگ ہوتا جارہا ہے۔ فکری اور معنوی طمانیت و سکون، ذہنی یکسوئی اور صبر و ضبط کی قدریں دم توڑ رہی ہیں۔ ہر طرف ایک اضطرابی اور ہیجانی کیفیت طاری ہے۔ اجتماعی، انفرادی، گھریلو، کاروباری، سیاسی، معاشرتی الغرض ہر محاذ پر میزانِ حیات غیر متوازن نظر آتا ہے۔ تعلیمات اسلامیہ سے دوری اور عدم دلچسپی سے لادینیت کا جو رجحان پیدا ہوگیا ہے وہ بے حد تشویش ناک ہے۔ لہذا ایسی دگرگوں صورت حال میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کی راہنمائی، اصلاح اور معاشرہ میں پھیلتی ہوئی قباحتوں کے انسداد وتدارک کے لئے مسلمانوں کے اندر خالص دینی عقائد میں پختگی اور احکامِ اسلام کی بجا آوری وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ ورنہ اس غیراسلامی رجحان (Non Islamic Trend) کا بڑھتا ہوا سیلاب عالم اسلام کے لئے ایسا مہلک خطرہ ثابت ہوگا جس کے نتیجہ میں اقوامِ عالم اور بالخصوص مسلم امہ کو عبرتناک نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کیفیت کو ایک حدیث مبارکہ کی روشنی میں مزید واضح کیا جاتا ہے۔ حضرت ثوبانؓ سے روایت

جب انسان کے قلب و ذہن پر دین مبین سے لاتعلقی کی چھاپ لگ جائے تو فطرت کے اصول کے مطابق وحشت وخوف کے ہیبت ناک کالے سائے اس پر مسلط کردیئے جاتے ہیں

ہے کہ مخبر صادق ﷺ نے فرمایا:

يوشك الامم ان تداعى عليكم كما تداعى الاكلة الى قصعتها فقال قائل ومن قلة نحن يومئذ؟ قال بل انتم يومئذ كثير ولكنكم غثاء كغثاء السيل ولينزعن الله من صدور عدوكم المهابة منكم وليقذفن الله فى قلوبكم الوهن فقال قائل يارسول الله وما الوهن؟ قال حب الدنيا وكراهية الموت.

(سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب فی تداعی الامم علی الاسلام، ۴: ۵۱۹، رقم: ۴۲۹۷)

"عنقریب ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ تمہارے خلاف دنیا کی (تمام) قومیں ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گی جیسے بھوکے اپنے خوان کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ ایک صحابیؓ نے پوچھا: کیا یہ اس وجہ سے ہوگا کہ اس زمانہ میں ہم تعداد کے اعتبار سے کم ہوں گے؟ فرمایا: نہیں بلکہ اس زمانہ میں تمہاری تعداد کثیر ہوگی لیکن تمہاری حیثیت سیلاب کے رخ پر بہنے والے خس و خاشاک کی سی ہوگی اور اللہ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں وھن پیدا فرمادے گا سائل نے مزید دریافت کیا: وھن کی تعریف کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: دنیا سے محبت اور موت سے کراہت۔

حدیث مذکورہ کی روشنی میں اگر آج کا مسلمان اپنی ذات کا تجزیہ کرے تو معلوم ہوگا کہ وہ اسی وھن کے ہلاکت خیز گرداب میں پھنسا ہوا ہے اور حبِ دنیا اس کے رگ و ریشہ میں بس گئی ہے۔ معروف دانشور ڈاکٹر گیلورڈ ہاورڈ اپنی تصنیف "زندگی گزارنے کے اصول" میں رقمطراز ہے کہ

"ہم اپنی زندگی میں اعتدال اور ایمان کے نیاز مند ہیں"۔

عظیم فلاسفر باثرلیمین کہتے ہیں کہ

"دین کی سچی دولت ابن آدم کو اطمینان و سکون عطا کرتی ہے"۔

یہی وہ سنہری اصول اور نسخۂ کیمیا ہے جس کے استعمال سے اہل اللہ کی جماعت ہر لحظہ غمِ زمانہ سے بے نیاز ہوکر آرام و اطمینان پاتی تھی جبکہ اس سے اجتناب و انحراف کرنے والے لوگوں کا طبقہ اس نعمتِ عظمیٰ سے تہی داماں ومحروم رہتا ہے۔ آج کا ابن آدم اسی وجہ سے بے سکون و پریشان ہے کہ اس نے یہ نسخہ اور اصول استعمال کرنے سے انکار کردیا ہے۔ جو انسان ہر حالت میں اللہ کی بے پایاں نصرتِ غیبی پر ایمان اور یقین راسخ رکھتا ہے۔۔۔ اپنی ذات کو رب کریم کے احکام کے تابع کرلیتا ہے۔۔۔ اس کی حیثیت و منشا کو اپنی سرنوشت میں مفید و موثر خیال کرتا ہے۔۔۔ اسی مالک و مولیٰ کی رضا کو مقصد حیات بناکر اس کے جودوکرم اور فضل و عطا کی امید رکھتے ہوئے اپنے تمام امور بجالاتا ہے۔۔۔ تو اطمینان اور سکینۂ دل کی دولت اس کی جھولی کو بھر دیتی ہے۔ جبکہ جو بدنصیب دین کی حقیقی فکر اور اسلام کی اصل روح کو نہیں سمجھ پاتا، وہ ہمیشہ دگرگوں حالات کی چکی میں پستا رہتا ہے۔

ایسے کم عقل انسان کی مثال ایسے ہے جیسے فضاؤں میں کوئی پرندہ محو پرواز تو رہتا ہے اور اپنی مسلسل اڑان کے باوجود منزل نہ ملنے پر تھک ہار کر فضا میں ہی دم توڑ کر ویرانوں یا کسی لق و دق صحرا میں گر کر دم توڑ جاتا ہے جبکہ جو لوگ عقاب جیسی بصارت رکھ کر اپنی منزل کی طرف پرواز کرتے ہیں وہ بلند و بالا چٹانوں پر اپنا بسیرا کرلیتے ہیں۔ ایسے ہی صاحب نظر احباب دین مبین کی شاہراہ کو جادۂ منزل سمجھتے ہوئے منزل کی رفعتوں سے ہمکنار ہوکر فوز وفلاح تک پہنچ جاتے ہیں۔

کامیاب طبقہ

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان طبقات میں کون سا طبقہ کامیاب و کامران اور مراد پانے کا حق دار ہے؟ آیئے قرآن حکیم سے اس کا صحیح جواب تلاش کرتے ہیں۔ ارشاد رب العزت ہے:

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ یَلۡبِسُوۡۤا اِیۡمَانَهُمۡ بِظُلۡمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الۡاَمۡنُ وَهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ. (الانعام:۸۲)

''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہیں ملایا انہی لوگوں کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں''۔

معلوم ہوا کہ امن اور ہدایت انہی لوگوں کا مقدر ہے جو دنیا میں رہتے ہوئے کسی بھی طور، کسی بھی طرح کے ظلم کے مرتکب نہیں ہوتے۔ مومن ہونے کے تقاضے پورے کرنا ایک مشکل راستہ ہے۔ سراپا امن و خیر ہوں گے، دوسروں کے لئے سلامتی کا باعث ہوں گے تب جاکر دنیا و آخرت میں ہمیں امن کی خیرات نصیب ہوگی۔ جبکہ ہمارا طرز عمل وفکر اس کے بالکل برعکس ہے۔ اس صورت حال میں ہم کس طرح پریشان حالی سے جان چھڑواسکتے ہیں۔ یہ دنیا تو ایک امتحان گاہ ہے، مشکلات آتی ہیں مگر استقامت و ثابت قدمی ان کو آسان بنادیتی ہیں۔ معاشرہ میں جتنی بھی برائیاں اورفواحش و منکرات موجود ہیں قرآن و سنت پر عمل ہی ان کا مداوا اور تریاق ثابت ہوسکتا ہے۔ اس دور پرفتن میں رب العالمین کے خالص بندے تھوڑے اور شیطان کے پیروکار بکثرت موجود ہیں۔ اسی وجہ سے انسانیت کی تقدیس اور ابن آدم کی حرمت زخم زخم ہوکر دم توڑ رہی ہے جبکہ لادینیت و ابلیسیت کا دور دورہ ہے۔ مسلمان، مسلمان کے خون سے اپنا دامن سرخ کر رہا ہے۔ دنیا کو مقدم وعزیز سمجھ کر دین کے پاکیزہ جسم کی دھجیاں بکھیری جارہی ہیں۔ ہر معاملہ اور مسئلہ میں دنیاوی حکمتوں اور مصلحتوں کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ کاروبار، شادی، ہر معاملۂ زندگی کی بنیاد دنیاوی سوچ وفکر پر رکھی جاتی ہے اور تعلیمات اسلامیہ کو قدیم داستان سمجھ کر معمولی اہمیت بھی نہیں دی جاتی۔ اخروی منفعت کو دنیاوی نفع پر قربان کردیا جاتا ہے۔

امت مسلمہ کا یہ بے معنی شعار نہایت قابل مذمت ہے۔ فرقہ واریت کے مہلک جراثیم ہمیں چاٹ چاٹ کر کھوکھلا کررہے ہیں۔ دنیا داروں کے ایک مفاد پرست ٹولہ نے اسی سوچ وفکر کو رواج دے کر عام مسلمان کو اسلام کی افادیت سے دور کردیا ہے۔ قرآن جیسی سہل فہم اور آسان کتاب کو خود غرض واعظین نے یہ کہہ کر مشکل العمل بنادیا ہے کہ عام آدمی کے فہم وادراک سے یہ کتاب ماوراء ہے۔ اس طرح پوری امت مسلمہ نور ہدایت سے دور ہوکر بے راہ روی کا شکار ہے۔ نادان مسلمان یہ نہیں سمجھتے کہ یہی وہ صحیفۂ ہدایت ہے جو ضلالت وگمراہی میں پھنسے ہوئے انسانوں کے لئے مینارۂ نور اور موجبِ نجات ہے۔ وہ شاید اس آیت کے مفہوم کو سمجھنے سے قاصر ہیں جس میں رب کریم فرماتا ہے:

وَلَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ. (القمر:۱۷)

''اور بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کردیا ہے تو کیا کوئی نصیحت قبول کرنے والا ہے؟''۔

بلاشبہ اس دور کے انسانوں کی کثیر تعداد اس کتاب نور کے فیوض و برکات اور حکمت و افادیت سے محروم و ناآشنا ہے۔ تعلیمات قرآنیہ کو نشان راہ بنانے کی بجائے ان پر عمل کو ضروری نہیں سمجھا جاتا بلکہ اس کے احکام کو ناقابل عمل اور مشکل سمجھ کر عملی زندگی میں شامل کرنے سے گریز و اجتناب کیا جاتا ہے۔ پھر جب اس اجتنابی اور انحرافی عمل کے نتیجہ میں انسان مشکلات میں گرفتار ہوجاتا ہے تو تقدیر کو کوسنے لگ جاتا ہے اور عزیز و اقرباء کو مورد الزام ٹھہرانے لگتا ہے۔ جب ایسی صورت حال پیش آجائے تو پورا انسانی معاشرہ اللہ کے وجود اور آخرت کی جواب دہی سے انکار پر آمادہ ہوجاتا ہے۔ نتیجتاً جہلانہ رویہ اور منفی طرز عمل مسلمان کو برباد کردیتا ہے۔ وہ دنیاوی چمک دمک (Glamouring) کا گرویدہ ہوکر ناکامی اور پریشانی کے اندھیروں میں غرق ہوجاتا ہے۔

ہم دنیاوی علوم و فنون میں تو کمال و دسترس حاصل کر لیتے ہیں مگر دینی تعلیمات میں کوئی سند حاصل نہیں کرتے۔ ہم ہمیشہ اس راز سے بے خبر رہے کہ مرنے کے بعد بھی ایک غیر فانی سلسلۂ حیات شروع ہوگا اور وہی حقیقی زندگی ہوگی۔ ہم فکر معاش میں سرگرداں ہو کر کثرت و تکاثر کی تصویر تو بن گے مگر فکرِ معاد کے حصول سے یکسر غافل اور بیگانے رہے۔ یہ یقین تو رہا کہ موت کا ایک دن معین ہے اور بعد از مرگ قبر کے اندھیرے گڑھے میں دبا دیئے جائیں گے مگر یہ فکر لاحق نہ ہوئی کہ اس کے بعد کیا ہوگا۔

مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ. (الجاثية:٢٤)

’’ہماری دنیوی زندگی کے سوا (اور) کچھ نہیں ہے ہم (بس) یہیں مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں زمانے کے (حالات و واقعات کے) سوا کوئی ہلاک نہیں کرتا (گویا خدا اور آخرت کا مکمل انکار کرتے ہیں)‘‘۔

ہماری زندگی تو بس یہی ہے کہ ہم مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں اور زمانہ کے تواتر سے ہستی نیستی میں بدل جاتی ہے۔ سوچ و تدبر کا یہ وہ زاویہ اور جہت ہے جو بندے کو عجلت پسند بنا دیتی ہے اور عجلت پسندی وہ مرض ہے جس نے کتنی ہی شخصیات اور قوموں کو عذاب الٰہی میں مبتلا کرا دیا۔ عاد، ثمود، اصحاب مدین، نمرود، فرعون، قارون، ہامان اور شداد وہ عبرت ناک کردار اور سبق آموز داستانیں ہیں جن کو قرآن میں بڑے جلی عنوانات سے بیان فرمایا گیا ہے۔ یقیناً یہ عنوانات ہمارے لئے درس عبرت ہیں:

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ.

’’تم سے پہلے (گذشتہ امتوں کے لیے قانونِ قدرت کے) بہت سے ضابطے گزر چکے ہیں سو تم زمین میں چلا پھرا کرو اور دیکھا کرو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا‘‘۔ (آل عمران: ١٣٧)

تم سے پہلے جو قومیں ہو گزریں ہیں ذرا زمین پر چل کر ان کے احوال و واقعات کو چشم بصیرت سے دیکھو تو جھٹلانے والوں کا انجام صاف دکھائی دے گا۔ انحرافِ تعلیمات اسلامیہ کے علاوہ منافقت بھی اس دور پرفتن کا ایک عظیم المیہ ہے۔ یہ وہ فعل قبیحہ ہے جسے کافری سے بھی زیادہ خطرناک اور مہلک قرر دیا گیا ہے۔ جس قوم کے افراد میں منافقت کے خطرناک جراثیم بکثرت پھیل جائیں، آخرت کا اعتقاد ختم ہو جائے۔۔۔ ادائیگی فرض میں ضعف پیدا ہو جائے۔۔۔ اطاعت الٰہی اور ضابطہ دین کی پابندی دم توڑ دے۔۔۔ اخلاقی پستی اپنی تمام تر قباحتوں کے ساتھ ظاہر ہونے لگے۔۔۔ باہم شک واشتباہ، باہمی عداوت، حسد اور بغض سے دل بھر جائیں تو ایسے افرادِ قوم کی تمثیل اس ریت کے گھروندے جیسی ہے جن کو گلی میں بچے اپنے ہاتھوں سے بناتے ہیں اور دوسرے ہی لمحے ہاتھ کی ہلکی سی جنبش سے مٹا بھی دیتے ہیں۔ نہ ان کی بنیاد ہوتی ہے اور نہ جڑ۔ ایسے کردار و عمل کے لوگ بے جان لاشے کی مانند سمجھے جاتے ہیں اور اس دور میں یہ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اللہ کریم ہمیں دین کی سمجھ اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ❁❁❁❁

سوشل میڈیا پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے پیغام کو فروغ دیں

انگلش معلومات کیلئے: Follow TahirulQadri
اردو معلومات کیلئے: Follow TahirulQadriUR
لکھ کر 40404 پہ SMS بھیجیں

www.facebook.com/TahirulQadri Like Share comment
www.twitter.com/TahirulQadri Retweet Favorite Reply

www.minhaj.org E-mail: news@minhaj.org

بہ اہتمام تحا ء ان

مثبت و بامقصد معاشرہ کی تعمیر کا اہم عامل

شفاقت علی شیخ☆

اللہ رب العزت نے کائنات کا نظام کچھ اس طرح بنایا ہے کہ یہاں کوئی بھی انفرادی وجود اپنے آپ میں کوئی بہت بڑی طاقت نہیں رکھتا لیکن جب وہ دوسروں کے ساتھ ملتا ہے تو ایک طاقت معرضِ وجود میں آ جاتی ہے۔ مثلاً پانی کا ایک قطرہ اپنی ذات میں کچھ بھی نہیں مگر یہی قطرات جب ملتے ہیں تو سمندروں، دریاؤں اور طوفانوں کا روپ دھار لیتے ہیں جو اپنے راستے میں آنے والی ہر چیز کو خس و خاشاک کی مانند بہا لے جاتے ہیں۔ ریت کے ذرات جب الگ الگ ہوتے ہیں تو آندھیاں اور ہوائیں اُنہیں اُڑائے پھرتی ہیں مگر جب پہاڑوں اور چٹانوں کی شکل میں یکجا ہوتے ہیں تو اُن کی مضبوطی ضرب المثل بن جاتی ہے۔اسی طرح اینٹیں اگر انفرادی حیثیت میں ہوں تو کوئی بھی شخص اُنہیں اُٹھا کر ادھر سے اُدھر پھینک سکتا ہے، مگر وہی اینٹیں جب ایک خاص ترتیب میں جوڑ دی جاتی ہیں تو پھر اُن سے بڑے بڑے قلعے اور مضبوط مکان معرض وجود میں آتے ہیں جہاں انسان اپنے آپ کو بیرونی دنیا کے حملوں سے محفوظ تصور کرتا ہے۔ یہی معاملہ افراد کا بھی ہے کوئی بھی فرد اپنی ذات میں کتنا ہی باصلاحیت ہو پھر بھی وہ تنہا کچھ نہیں ہے۔ اُس کی طاقت اور قوت کا راز دوسروں کے ساتھ اتحاد و اشتراک میں ہے۔ علامہ اقبال نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں بیرون دریا کچھ نہیں

ایک طرف تو ہر شخص اپنی بقاء، ارتقاء، نشو ونما اور ضروریات زندگی کی تکمیل کیلئے بے شمار دوسرے لوگوں کی مدد اور تعاون کا محتاج ہے اور دوسری طرف کامیابی کی بلند ترین چوٹی پر پہنچنے، بڑی مہمات کو سر کرنے اور اعلیٰ مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے بھی دوسروں کی صلاحیتوں اور استعدادوں کو استعمال کیے بغیر چارہ ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ کی تمام کامیابیوں، ترقیوں اور ایجادات کا جب بنظر غائر جائزہ لیا جاتا ہے تو اُن کے پس منظر میں ایک سے زیادہ افراد کی مشترکہ اور منظّم کاوشیں دکھائی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ جہاں بظاہر منظر پر صرف ایک شخص دکھائی دیتا ہے وہاں بھی پیچھے جھانک کر دیکھا جائے تو پس منظر میں چند اور لوگ بھی دکھائی دیتے ہیں جن کا بالواسطہ یا بلا واسطہ تعاون اُسے کسی نہ کسی سطح پر حاصل رہا۔ قدرت کا یہ قانون اتنا اٹل ہے کہ اس سے پیغمبروں کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیا گیا حالانکہ وہ ساری کائنات کے تمام انسانوں میں سے انتہائی برگزیدہ، چنے ہوئے اور دوسرے لوگوں کی نسبت کہیں زیادہ صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ نیز اُنہیں اللہ رب العزت کی خصوصی نصرت اور تائید بھی حاصل ہوتی ہے۔ جب ہم انبیاء اکرام علیہم السلام کی تاریخ کو

☆ shafaqatalisheikh@yahoo.com

دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اُنہوں نے بھی اپنے پیروکاروں اور جانثاروں کی ایک ٹیم تیار کی جس کے ذریعے سے مطلوبہ مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے جدوجہد کی۔ جب سیدنا عمر فاروق نے اسلام قبول کیا تو جبرائیل ؑ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت لے کر آگئے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (الانفال، ٨:٦٤)

''اے نبی (معظّم!) آپ کے لیے اللہ کافی ہے اور وہ مسلمان جنہوں نے آپ کی پیروی اختیار کر لی۔''

تعاون ......فطرت کا اہم اُصول

مختلف افرادِ معاشرہ کا اپنی انفرادی صلاحیتوں کو باہم ملاتے ہوئے اتحادِ عمل کے ذریعے ایسے نتائج پیدا کرنا جو انفرادی طور پر پیدا کرنا کسی کے لیے بھی ممکن نہ ہوں، تعاون کہلاتا ہے۔ فطرت کے نظام میں تعاون کا اُصول اور اُس کے ثمرات جگہ جگہ دیکھے جا سکتے ہیں۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ لوہے یا لکڑی کا ایک شہتیر اگر سو من وزن اُٹھا سکتا ہو تو ایک کی بجائے دو شہتیروں کو اکٹھا لگا دینے کی صورت میں وہ دو سو کی بجائے اڑھائی سو یا تین سو من تک وزن اُٹھا لیں گے۔

۲۔ ہمارے جسم کے سر سے لیکر پاؤں تک تمام اعضاء ایک دوسرے کے ساتھ مکمل ہم آہنگی سے تعاون کرتے ہیں تو جسم کا نظام بہترین طریقے سے چل رہا ہوتا ہے۔ جب اس توازن اور ہم اہنگی میں فرق آجاتا ہے تو نظام میں بھی خلل آجاتا ہے اور کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔

۳۔ کسی بھی بڑی مشینری کے اندر چھوٹے بڑے سینکڑوں پرزے ہوتے ہیں جو بڑے مربوط انداز میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کر رہے ہوتے ہیں۔ نتیجتاً مشین رواں دواں رہتی ہے۔ لیکن جہاں کسی پرزے میں خرابی آجاتی ہے تو سارا نظام متاثر (Distrub) ہو جاتا ہے۔

۴۔ کسی بھی کھیل کے میدان میں ٹیم کے اندر مختلف صلاحیتوں کے حامل کھلاڑی موجود ہوتے ہیں۔ وہ تمام ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر باہمی تعاون کے اُصول کو اپناتے ہوئے اپنی اپنی صلاحیتوں کو کام میں لاتے ہیں تو نتیجہ شاندار کھیل کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ لیکن اگر اُن کے اندر تعاون اور توازن کی کیفیت برقرار نہ رہے تو ٹیم کی مجموعی کارکردگی پر بُرا اثر پڑتا ہے۔

۵۔ ایک اچھا میوزیکل گروپ تعاون کی بہترین مثال ہے۔ یہ محض طبلہ، گٹار یا وائلن پر مشتمل نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ تمام آلات مل کر خوبصورت آواز تخلیق کرتے ہیں۔ گروپ کے تمام ارکان کی صلاحیتیں مل کر ایک اچھا گانا تشکیل دیتی ہیں اور اکیلا گلوکار ایسی پرفارمنس کا مظاہرہ نہیں کرسکتا۔

۶۔ گینڈے کی پشت پر بیٹھ کر کیڑے مکوڑے کھانے والا پرندہ بھی تعاون کی ایک مثال ہے۔ اس طرح پرندے کو کھانا مل جاتا ہے جبکہ گینڈے کا جسم بھی صاف ہو جاتا ہے۔

مندرجہ بالا تمام مثالوں میں جو بھی نتائج دکھائی دے رہے ہیں وہ سب کے سب دو یا دو سے زیادہ افراد یا اشیاء کے متحدہ عمل کے نتیجے میں پیدا ہو رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ فطرت سے سیکھے گئے اس سبق کو سماجی تعلقات میں کامیاب اور موثر طریقے سے استعمال میں لایا جائے تاکہ وہ نتائج حاصل ہوسکیں جن کو انفرادی طور پر حاصل کرنا کسی بھی فرد واحد کیلئے ممکن نہیں ہوتا۔

تعاون کی دو قسمیں

تعاون کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ غیر تخلیقی تعاون　　۲۔ تخلیقی تعاون

۱۔ غیر تخلیقی تعاون

یہ وہ تعاون ہے جس میں دو یا دو سے زیادہ افراد کسی مجبوری، مصلحت یا ضرورت کے تحت ایک دوسرے

سے تعاون کر رہے ہوتے ہیں۔ اس تعاون میں ہر فرد کے سامنے اپنا ذاتی مفاد ہوتا ہے۔ اُسے دوسرے فرد سے غرض نہیں ہوتی، محض اپنا فائدہ ہوتا ہے جو اُسے دوسرے کے ساتھ تعاون پر مجبور کر رہا ہوتا ہے۔ ایسے تعاون کے اندر سطحی قسم کے نتائج تو پیدا کئے جاسکتے ہیں لیکن کسی بہت بڑی کامیابی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ ایسے تعاون کی بنیاد خودغرضی پر ہوتی ہے۔

۲۔ تخلیقی تعاون

یہ وہ تعاون ہے جہاں دو یا دو سے زیادہ افراد کسی اعلیٰ مقصد کے حصول کیلئے ایک دوسرے سے تعاون کر رہے ہوتے ہیں۔ ان کے دلوں اور دماغوں میں اتحاد، یگانگت اور ہم آہنگی ہوتی ہے۔ وہ ذاتی اغراض اور مفادات کے بندے نہیں ہوتے بلکہ ایک دوسرے کے ہمدرد اور خیر خواہ ہوتے ہیں۔ وہ کسی مجبوری ٗمفاد یا وقتی مصلحت کیلئے ایک دوسرے سے تعاون نہیں کر رہے ہوتے بلکہ تعاون کو زندگی کے ایک اعلیٰ اُصول کے طور پر اپنائے ہوتے ہیں۔ اُن کے دلوں میں ایک دوسرے کیلئے عزت اور احترام کے جذبات ہوتے ہیں اور ان کا باہمی تعلق ''یک جان دو قالب'' کا سا ہوتا ہے۔ اس تعاون کی بنیاد ایثار اور قربانی پر ہوتی ہے اور تاریخ کی تمام ترقیاں اور کامیابیاں اس طرح کے تعاون کی مرہون منت ہیں۔

تخلیقی تعاون کیا ہے؟

آسان لفظوں میں اسکی تعریف کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب دو یا دو سے زائد افراد مل کر عمل کریں تو اُن کے عمل کا نتیجہ اُن کے انفرادی عملوں کے مجموعہ سے بڑا ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں ایک قول بہت مشہور ہے:

''ایک اکیلا اور دو گیارہ''

یہ قول بڑے ہی بامعنی انداز میں تخلیقی تعاون کی طاقت کو بیان کر رہا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ جب دو افراد باہم ملتے ہیں تو اُن کی طاقت آپس میں جمع ہو کر دوگنا نہیں ہوتی بلکہ وہ کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ یہ حقیقت ہے اکیلے رہ کر ہم بہت کم اور اکٹھے ہونے کی صورت میں بہت زیادہ کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ اس اُصول کو اپنانے سے ہماری زندگی میں معجزاتی نتائج پیدا ہونے لگ جاتے ہیں اور مسائل کے حل کے ایسے نئے متبادلات سامنے آجاتے ہیں جن کا ہم نے پہلے تصور بھی نہیں کیا ہوتا۔ چنانچہ جب دو یا دو سے زیادہ افراد باہم مل کر کوئی کام کرتے ہیں تو کسی بھی معاملے کا زیادہ بہتر حل نکال لیتے ہیں اور اپنی مطلوبہ منزل تک جلد اور آسانی سے پہنچ جاتے ہیں۔

یہ اُصولوں پر مبنی لیڈر شپ کا نچوڑ ہے۔ تخلیقی قیادت کا اصل کام یہی ہے کہ وہ اپنے زیر اثر لوگوں کے درمیان تعاون کے ہر امکان سے بخوبی واقف ہو اور جن لوگوں کے درمیان تعاون کے مثبت نتائج نکل سکتے ہوں اُنہیں تعاون پر آمادہ کرے۔ نیز یہ اُصولوں پر مبنی تعاون بچوں کی پرورش کا بھی عرق ہے۔ تخلیقی مزاج کے حامل والدین بچوں کی تربیت اس نہج پر کرتے ہیں کہ وہ اشتراکِ عمل کے اُصولوں کو جانتے ہوں اور اُنہیں استعمال میں لاتے ہوئے معاشرے کی تعمیر و ترقی میں اپنا بھرپور کردار ادا کرسکیں۔

تعاون اور اسلام

اسلام دینِ فطرت ہے جس کے تمام اُصول انسانی فطرت سے مکمل مطابقت رکھتے ہیں۔ نیز فرد اور معاشرہ کی تعمیر و ترقی کے ضامن ہیں۔ چنانچہ باہمی تعاون کے حوالے سے اسلام نے جتنا زور دیا ہے اُتنا شاید ہی دنیا کی کسی اور تہذیب نے دیا ہو۔ یہی نہیں بلکہ اسلام میں تعاون کی حدود اور اس حوالے سے اُصول و ضوابط بھی بیان کیے گئے ہیں۔ وضاحت کیلئے چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا

عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ، ۵:۲)

''اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو''۔

یہاں اللہ رب العزت نے اہل ایمان کو ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کی تاکید فرمائی لیکن ساتھ یہ شرط بھی لگا دی کہ یہ تعاون فقط نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ہونا چاہیے جہاں تک گناہ اور زیادتی کا تعلق ہے تو اُن معاملات میں تعاون قطعاً نہیں کرنا ہے، دوسرے لفظوں میں تعاون کو فقط مثبت مقاصد تک محدود کر دیا گیا۔ جن سے معاشرہ تعمیر و ترقی کی طرف گامزن ہو سکے اور منفی مقاصد جس کے نتیجے میں معاشرہ تخریب اور تنزلی کا شکار ہو اُن کے حوالے سے تعاون کرنے سے روک دیا ہے۔ یہی اسلام کا حسن ہے کہ یہ ہر اُس کام کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جس کے نتیجے میں اعلیٰ اقدار کو پنپنے کا موقع ملے لیکن وہ تمام کام جو معاشرے کے حسن کو بگاڑیں' اُن کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

اُنصر اخاك ظالماً او مظلوما.

(بخاری، الصحیح، رقم: ۲۳۱۱، ۲/۸۶۳)

''اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم''۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ مظلوم کی مدد کرنے والی بات تو سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن جو ہے ہی ظالم اُس کی مدد کیونکر کی جاسکتی ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اُس کا ہاتھ ظلم سے روک دینا ہی اُس کی مدد کرنے کے مترادف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تو دوسرے لوگوں کو اُس کے ظلم سے نجات مل جائے گی اور دوسری طرف وہ خود ظلم کر کے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے آپ کو مجرم بنا رہا ہے اُس سے بچ جائے گا۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا.

''اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت ڈالو''۔ (اٰل عمران، ۳:۱۰۳)

یہاں اللہ کی رسی سے مراد قرآن مجید لی گئی ہے۔ مسلمانوں سے کہا جارہا ہے کہ قرآن مجید جو کہ کتاب ہدایت ہے اس کی تعلیمات پر مضبوطی سے کاربند ہو جاؤ اور باہمی معاملات میں ایسے تمام اختلافات سے بچو جن کی بنیاد انا نیت اور نفس پرستی پر ہو۔ ان اختلافات کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ تمہارے اندر انتشار اور پراگندگی آجائے گی اور تمہاری اجتماعی قوت کا شیرازہ بکھر جائے گا جس کا حتمی انجام یہ ہوگا کہ دشمن کے دل سے تمہارا رعب جاتا رہے گا اور اُسکے لیے تمہارے اُوپر غالب آنا آسان ہو جائے گا۔ گویا یہاں بھی مسلمانوں کو آپس میں باہمی تعاون کی حالت میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

تعاون کیلئے ایک دوسرے کے ساتھ خوشگوار تعلقات کا برقرار رہنا اولین شرط ہے۔ اسلام ہر اُس بات کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جس کے نتیجے میں تعلقات میں بہتری آئے اور ہر اُس بات کی حوصلہ شکنی کرتا ہے جس کی وجہ سے تعلقات میں بگاڑ آسکتا ہو۔ اسلامی تعلیمات میں لڑائی جھگڑے، دشمنی، بغض اور نفرت وغیرہ سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں تخلیقی تعاون کا گلا گھونٹ دیتی ہیں اور ان کے ہوتے ہوئے تخلیقی تعاون ممکن ہی نہیں رہتا۔ ایک مقام پر نفرت اور عداوت کو شیطان کی کارستانی قرار دیتے ہوئے فرمایا:

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ

''شیطان یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان عداوت اور کینہ ڈلوا دے''۔ (المائدہ، ۵:۹۱)

اسلام کے اندر قطع تعلق کو حرام قرار دیا گیا ہے اور حضور ﷺ نے تین دن سے زیادہ آپس میں بول چال کو بند رکھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ وجہ یہی ہے کہ اسلام مسلمانوں کے معاشرے کو مضبوط سے مضبوط تر دیکھنا چاہتا

ہے اور اُسے شاہراہِ ترقی پر گامزن دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ اُسی صورت میں ممکن ہے کہ جب افراد معاشرہ باہمی محبت و مئودت کی لڑی میں پروئے ہوئے ہوں۔

جو شخص مسلمان ہوتے ہوئے اور اسلامی معاشرے میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو الگ تھلگ کر لے اور ماحول سے منقطع ہو کر اپنا الگ جزیرہ بنانے کی کوشش کرے تو اسلام اُسے مسلمانوں کی اجتماعیت (Community) میں شمار ہی نہیں کرتا۔اس حوالے سے حضور ﷺ نے فرمایا:

من لا یھتم با مر المسلمین فلیس منھم.

طبرانی، سلیمان بن احمد (۲۶۰.۳۶۰ھ/۸۷۳.۹۷۱ء)

''جو شخص مسلمانوں کے معاملات میں دلچسپی نہیں لیتا وہ اُن میں سے نہیں ہے''

تعاون کس طرح طاقت اور قوت میں اضافے کا ذریعہ بنتا ہے اس کو حضور ﷺ نے ایک خوبصورت تمثیل سے سمجھاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

المومن للمومن کا لبنیان یشد بعضه بعضاً

''مومن مومن کے لئے ایسے ہے جیسے دیوار کہ اُس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے''۔

(بخاری، الصحیح، رقم: ۴۶۷، ۱/۱۸۲)

جس طرح دیوار کی ہر اینٹ دوسری کیلئے تقویت کا باعث بن رہی ہوتی ہے اُسی طرح اسلامی معاشرے کا ہر فرد دوسرے فرد کی تعمیر و ترقی اور مضبوطی و استحکام کا باعث بن رہا ہوتا ہے اور یہ سب کچھ صرف اور صرف تعاون کے ذریعے سے ہی ممکن ہے۔ایسا تعاون جس کی بنیاد میں محبت، اخوت، ہمدردی، خیر خواہی اور ایثار و قربانی کے جذبات پائے جا رہے ہوں۔

تعاون کے تقاضے

تعاون کے معرض وجود میں آنے اور اُس کے ذریعے مطلوبہ نتائج کو حاصل کرنے کے چند تقاضے ہیں جن کو پورا کرنے سے ہی اعلیٰ درجے کا تعاون پیدا ہوتا ہے۔ اور بہترین نتائج کے حصول کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس حوالے سے مندرجہ ذیل تین تقاضے بنیادی نوعیت کے حامل ہیں:

۱۔ اختلافات کی قدر کرنا
۲۔ تواضع وانکساری
۳۔ باہمی اعتماد

۱۔ پہلا تقاضا...... اختلافات کی قدر کرنا

اس کائنات کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے جو لا محدود شانوں کا مالک ہے۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن مجید نے کہا:

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ. (الرحمن، ۵۵: ۲۹)

''وہ ہر آن نئی شان میں ہوتا ہے۔''

اُس کی اس صفت کا عکس اور پرتو اُس کی تخلیقات میں بھی جا بجا دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ کائنات کے اندر اتنا تنوع اور اختلاف ہے کہ جس کو دیکھ کر عقل انسانی ورطہء حیرت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ مختلف انواع کی مخلوقات مثلاً جمادات، نباتات اور حیوانات وغیرہ میں سے ہر ایک کے اندر بے شمار اقسام پائی جاتی ہیں۔ جو بعض اعتبارات سے یکساں ہونے کے باوجود کئی جہتوں سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ سبزیوں اور پھلوں وغیرہ کو ہی لیں تو اُن کی درجنوں اقسام پائی جاتی ہیں جو ایک دوسری سے شکل وصورت، ذائقے اور خصوصیات کے اعتبار سے بالکل مختلف ہوتی ہیں۔غور کیا جائے تو اسی کی وجہ سے کائنات کے اندر اتنی خوبصورتی پائی جاتی ہے۔اس کے بغیر کائنات یکسانیت کا شکار ہو کر خاصی بوریت کی حامل بن جاتی۔مثلاً پھولوں کی ہی صرف ایک قسم ہوتی تو رنگ برنگے پھولوں سے جو خوشنما گلدستہ بنایا جاتا ہے وہ کبھی معرض وجود میں نہ آ سکتا۔ اسی طرح اگر کھانے پینے کی

اشیاء میں اتنے رنگ برنگے ذائقے نہ ہوتے تو لذت خاصی یکسانیت کا شکار ہو جاتی، اور زندگی کے اندر وہ کیف اور سرور دکھائی نہ دیتا جو اس وقت موجود ہے۔

جس طرح کائنات کے دیگر تمام موجودات میں طرح طرح کی نیرنگیاں اور بوقلمونیاں پائی جاتی ہیں' جنہوں نے مل کر اس کائنات کے حسن اور خوبصورتی کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ بالکل اسی طرح انسانی دنیا کے اندر بھی تنوع کی یہ شان اس کمال کے درجے میں پائی جاتی ہے کہ اربوں اور کھربوں کی تعداد میں بسنے والے انسانوں میں سے کوئی بھی دو انسان صد فیصد ایک دوسرے کے مشابہ نہیں ہوتے۔ حتیٰ کہ ایک ہی والدین کے مختلف بچے کافی حد تک مماثلت اور مشابہت کے باوجود بڑی حد تک جسمانی خدوخال میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔اس سے بھی آگے بڑھ کر کر دیکھیں تو ایک ہی وقت میں ایک ہی والدین سے پیدا ہونے والے دو جڑواں بچے جو بہت زیادہ مشابہت رکھتے ہیں اُن میں بھی کسی نہ کسی درجے میں کچھ نہ کچھ فرق بہر حال موجود ہوتا ہے۔ دو انسانوں کی شکل و صورت اور خدوخال کا ہو بہو ایک دوسرے کی نقل (Copy) ہونا تو دور کی بات ہے اُن کے ہاتھوں اور انگلیوں کے پوروں کے نشانات (Finger Prints) بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کائنات کو بنانے اور چلانے والا خدا کتنی عظمتوں، قدرتوں اور رفعتوں کا مالک ہے کہ کوئی بھی شخص اُس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ظاہری شکل وصورت اور جسمانی خدوخال کو ایک دوسرے سے مختلف رکھا ہے اُسی طرح ہمارے ذوق، مزاج اور رجحان بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ مختلف لوگوں کے درمیان مختلف اقسام اور مختلف درجوں کی صلاحیتیں، توانائیاں اور استعدادیں پائی جاتی ہیں۔ کوئی کسی صلاحیت میں دوسرے سے زیادہ ہوتا ہے تو کسی کے اندر کوئی اور خوبی زیادہ نمایاں ہوتی ہے۔ سادہ لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ کوئی بھی دو انسان ظاہری اور باطنی کسی بھی لحاظ سے ایک دوسرے سے مکمل طور پر مشابہت نہیں رکھتے ہیں۔

اس سے ایک قدم اور آگے بڑھ کر دیکھیں تو انسانوں کے درمیان اس کے علاوہ بھی کئی فرق دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً کوئی مرد ہے کوئی عورت، کوئی بوڑھا ہے کوئی جوان، کوئی عالم ہے کوئی جاہل، کوئی امیر ہے کوئی غریب، کوئی صحت مند ہے کوئی بیمار، کوئی مسیحا ہے کوئی مریض، کوئی افسر ہے کوئی ماتحت وغیرہ وغیرہ۔ یہ مختلف قسم کے فرق اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام تک میں رکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ. (البقرہ:۲۵۳)

''یہ سب رسول (جو ہم نے مبعوث فرمائے) ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، ان میں سے کسی سے اللہ نے (براہِ راست) کلام فرمایا اور کسی کو درجات میں (سب پر) فوقیت دی (یعنی حضور نبی اکرم ﷺ کو جملہ درجات میں سب پر بلندی عطا فرمائی)۔''

گویا نفسِ رسالت میں تو تمام رسول برابر ہیں لیکن درجات وخصوصیات میں مختلف ہیں۔

تفاوت انسانی۔۔۔ رحمت یا زحمت

انسانی دنیا کے اندر موجود مختلف قسم کے تضادات اور اختلافات تخلیقی تعاون کی اولین بنیاد ہیں۔ ہر انسان کے اندر کچھ خوبیاں ہیں اور دوسری طرف بہت سارے نقائص ہیں جو اُسے دوسروں کی طرف مائل ہونے اور اُن سے تعاون حاصل کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ کوئی

بھی انسان نہ تو تمام خوبیوں کا مالک ہے کہ وہ دوسروں کا محتاج ہی نہ رہے اور نہ ہی ایسا ہے کہ وہ بالکل خالی ہو کہ اُس کے پاس دوسروں کو دینے کیلئے کچھ بھی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف لوگوں کے درمیان پائے جانے والے ان مختلف تفاریق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّعِيۡشَتَهُمۡ فِي الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ

(الذخرف، ۴۳:۳۲)

”ہم اِن کے درمیان دنیوی زندگی میں ان کے (اسبابِ) معیشت کو تقسیم کرتے ہیں اور ہم ہی ان میں سے بعض کو بعض پر (وسائل و دولت میں) درجات کی فوقیت دیتے ہیں“۔

گویا لوگوں کے درمیان جو مختلف فرق رکھے گئے ہیں اُن کی حکمت اس دنیا کے نظام کو بطریق احسن چلانا ہے۔ ذرا سوچیں کہ تمام دنیا کے لوگ ایک جیسی صلاحیتوں کے مالک ہوتے تو دنیا کا نظام کیسے چلتا ۔۔۔؟ اگر تمام لوگ امیر ہوتے تو کام کون کرتا۔۔۔؟ اگر تمام لوگ علم والے ہوتے تو اُن کے علم اور ذہانت کو استعمال کرنے کے مواقع کون فراہم کرتا۔۔۔؟ اگر تمام لوگ نیک ہوتے تو اچھائی یا برائی میں تمیز کیسے ہوتی۔۔۔؟ غرض یہ کہ دنیا کا سارا نظام تباہ و برباد ہو کر رہ جاتا۔ جب ہر شخص اپنی جسمانی، دماغی، جذباتی، اور روحانی ضروریات کیلئے خود کفیل ہوتا تو پھر کوئی کسی کے ساتھ رہنا نہ چاہتا۔ جانوروں کی طرح ہر کوئی اپنے لئے جیتا اور نتیجتاً تمام انسانی ترقیاں رک جاتیں۔ لہٰذا دنیا کے نظام کو چلانے کیلئے ایک جیسے لوگوں کی نہیں بلکہ مختلف لوگوں کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس حکمت اور مصلحت کے تحت لوگوں کے درمیان مختلف قسم کے فرق رکھ دیئے تا کہ دنیا کا نظام حسن و خوبصورتی کے ساتھ چلتا رہے۔

(جاری ہے)

اظہار تعزیت

گذشتہ ماہ محترم حافظ ظہیر احمد الاسنادی (ریسرچ سکالر FMRi) کی بڑی ہمشیرہ اور محترم محمد نزاکت (متعلم شریعہ کالج و ممبر آئی ٹی بیورو) کی والدہ محترمہ، محترم حافظ محمد حنیف اعوان (کمپوزر FMRi) کے والد محترم، محترم حفیظ الرحمٰن (نظامت تمویلات) کی خالہ جان، محترم خالد محمود سعیدی (شیخوپورہ) کے چچا جان، محترم مقصود علی شاد (منوں آباد۔ مریدکے)، محترم محمد الیاس گجر (مریدکے) کے بہنوئی، محترم سید شعیب شیرازی (مریدکے) کی پھوپھو، محترم حاجی ملک عابد حسین (برمنگھم انگلینڈ)، محترم حاجی محمد تاج چشتی (ویکفیلڈ UK) کے تایا جان، محترم حافظ احمد شیر برکاتی منہاجین (لندن برطانیہ) کے والد محترم اور محترم حافظ محمد عثمان (متعلم شریعہ کالج) کے نانا جان محترم حاجی محمد یعقوب (کوٹ مومن، سرگودھا)، محترم حاجی نذیر احمد (لنگڑیال۔ گجرات) کی ہمشیرہ، یٰسین کوثر (کوٹلہ۔ گجرات) کا بھانجا، محترم علامہ غلام شبیر (گجرات)، محترم ملک محمد ریاض بڑ (گجرات) کی والدہ، محترم محمد اقبال فانی (ڈائریکٹر ناروے) کے والد محترم اور بڑے بھائی، محترم ندیم احمد (UK) کے والد محترم، محترم فیض الحسن (صدر بحرین) کی ساس، محترم عبدالرؤف (اومان) کے والد محترم، محترم خواجہ محمد نسیم (صدر آسٹریا) بھتیجی کا شوہر، محترم محمد شفیق قادری (ملائیشیا) کی والدہ محترمہ، محترم ظفر ارشد (کینڈا) کی والدہ محترمہ، محترم علامہ شہباز احمد صدیقی (سابق امیر یونان) کے ماموں جان اور محترم عادل شہزاد (صدر MYL یونان) کے تایا جان قضائے الٰہی سے انتقال فرما گئے ہیں۔ انا للہ انا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ جملہ مرحومین کی بخشش و مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

مرکزی جماعت اہل سنت برطانیہ و یورپ کے زیر اہتمام

انٹرنیشنل سنی کانفرنس

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی خصوصی شرکت و خطاب

یکم ستمبر 2013ء جماعت اہلسنت برطانیہ و یورپ کے زیر اہتمام ''عالمی تاجدار ختم نبوت و تحفظ مقام مصطفیٰ ﷺ'' کے عنوان سے (برمنگھم) میں انٹرنیشنل سنی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں مشائخ، علماء کرام کے علاوہ عوام الناس نے بھی کثیر تعداد میں شرکت کی۔ اس کانفرنس میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کو شرکت کی خصوصی دعوت دی گئی تھی۔ اس کانفرنس میں مرکزی جماعت اہلسنت برطانیہ و یورپ کے سرپرست محترم پیر عبدالقادر شاہ جیلانی، محترم پیر نقیب الرحمان، محترم پیر عتیق الرحمان فیض پوری، محترم علامہ احمد نثار بیگ قادری، محترم قاضی عبدالعزیز چشتی، محترم پروفیسر احمد حسن ترمذی، محترم علامہ محمد افضل سعیدی، محترم ابو احمد الشیر ازی، محترم صاحبزادہ احمد حسان نقیبی، محترم ڈاکٹر نسیم احمد، محترم پیر سید مظہر شاہ جیلانی، محترم مولانا بوستان القادری، محترم صاحبزادہ ظہیر احمد نقشبندی، محترم علامہ عبد الطیف قادری، محترم مولانا محمد یعقوب چشتی، محترم زاہد نواز راجہ، میئر والتھم فاریسٹ کونسلر محترم ندیم علی نے شرکت کی اور خطابات کئے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے ''عقیدہ اہل سنت اور تحفظ مقام مصطفیٰ ﷺ'' کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے سورہ الاعراف کی آیت ۱۵۷ کی تلاوت کی اور فرمایا کہ

جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے فرمادیا کہ یہ نبی بھی ہیں، رسول بھی ہیں تو پھر ''اُمّی'' ساتھ کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس مقام پر لفظِ ''اُمّی'' کے استعمال کا مقصد دراصل مقام مصطفیٰ ﷺ سمجھانے کے لئے ہے۔ اس لئے کہ جب رسول فرمایا تو آپ ﷺ اللہ رب العزت کی رسالت کے حامل ہوگئے۔۔۔ جب نبی کہا تو اللہ کی طرف سے تمام علوم و اخبار غیبیہ کے حامل ہوگئے۔۔۔ ''اُمّی'' کہا تاکہ لوگوں کو پتہ چلے کہ جتنے کمالات علم میں، اخلاق میں، فکر میں، معرفت میں، فہم میں اس رسول اور نبی کی ذات میں دیکھتے ہو، ان میں سے کوئی ایک کمال بھی کسبی نہیں ہے بلکہ تمام وہبی ہیں۔ یعنی وہ دنیا میں کسی سے نہیں پڑھے، نہ انہوں نے کسی استاد سے سیکھے، نہ کسی کتاب سے پڑھے یہ سارے اصلاً ان کو باری تعالیٰ کی بارگاہ سے نصیب ہوئے۔ بعض لوگوں نے مقام مصطفیٰ ﷺ کو نہ سمجھتے ہوئے لفظ ''اُمّی'' کا ترجمہ کرتے ہوئے ''ان پڑھ'' لکھ دیا (معاذ اللہ) ایسے لکھنے والے سے بڑا نہ کوئی ان پڑھ ہے اور نہ کوئی Illiterate، اللہ رب العزت نے حضور علیہ السلام کو ''اُمّی'' آپ کے مرتبہ علم کو بتانے کے لئے فرمایا کہ وہ کسی سے نہیں پڑھے۔

وعلمك مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما. یہ مقام علم کا اظہار ہو رہا ہے۔

''اُمّی'' کا ایک معنی ''اصل'' کے بھی ہیں۔ گویا جس ذات سے اس کائنات کی تخلیق کی ابتداء ہوئی اور جو نور اول کے طور پر ظہور پذیر ہوئی ان کا نام محمد مصطفیٰ ﷺ ہے اس لئے ان کو ''اُمّی'' کہا کہ انہیں عام نبیوں اور رسولوں کی طرح نہ سمجھنا بلکہ یہ ''النبی الامی'' ہیں۔ ان کے چشمے سے سب کچھ پھوٹا ہے۔ یہ اصل نبوت ہیں، یہ اصل رسالت ہیں، یہ اول الانبیاء ہیں، یہ اول الرسل ہے سب ان میں سے نکلے اور ان کو اول الانبیاء اور اول الرسل بنایا گیا ہے۔

آج لوگ تکرار کرتے ہیں کہ ہمیں قرآن کافی ہے اور کسی حدیث اور سنت کی حاجت نہیں۔ ایسا کہنے والا بدترین کافر وملحد ہے۔ یہ کلام خود قرآن نے نہیں کہا۔ جو بات قرآن خود نہیں کہتا آپ وہ بات قرآن میں کیوں ڈالتے ہیں۔ آقا علیہ السلام نے ہمیں بتایا کہ ''یہ قرآن ہے''، تو ہم نے مان لیا کہ یہ قرآن ہے۔ پس حضور ﷺ کے اس جملے کو مانا اس کے بعد قرآن کو مانا۔ اس جملے کو مانا تو حدیث پر ایمان ہوگیا۔ پس حدیث پر ایمان لانے نے قرآن تک پہنچا دیا۔ قرآن کو قرآن ماننا زبانِ مصطفیٰ ﷺ کا محتاج ہے۔

خدا کے ایک ہونے کی خبر حضور ﷺ نے دی۔ اگر خبر پر یقین کرنا ہو تو پہلے مخبر پر یقین کیا جاتا ہے۔ پس خبر توحید ہے اور مخبر کی شان، رسالت ہے۔ مخبر مصطفیٰ ﷺ ہے اور خبر جس کی دی جارہی ہے وہ خدا ہے۔ مقام مصطفیٰ یہ ہے کہ خدا کو وہی مانتا ہے جو پہلے مصطفیٰ ﷺ کو مانتا ہے۔ توحید، اس کی وحدانیت اور اس کا ہونا، نہ کسی نے چکھا، نہ دیکھا، نہ سنا۔ وہ تو نہ محسوسات میں سے ہے اور نہ معقولات میں سے ہے۔ نہ حواس اس کی خبر دیتے ہیں اور نہ عقل خبر دیتی ہے۔ نہ وجدان اس کی قطعی خبر دیتا ہے۔ پس انسان کا علم تو فارغ ہوگیا اور جب خدا کے ہونے کی خبر انسان کے پاس نہ تھی، نہ کوئی ظاہری شہادت ہے، نہ ذریعہ علم ہے، تو خدا کے خدا ہونے کا کس نے بتایا؟ مصطفیٰ ﷺ نے فرمادیا کہ وہ ہے، ہم نے مان لیا کہ وہ ہے۔ فرمادیا کہ ایک ہے، ہم نے کہا ایک ہے۔ وہ جو جو بتاتے گئے ہم مانتے گئے۔ ایمان کا مطلب ہی یہ ہے کہ مصطفیٰ ﷺ کو مانو اور پھر وہ جو منواتے جائیں اسے بھی مانتے جاؤ اور جو جو چھڑواتے جائیں اسے چھوڑتے جاؤ۔ اگر یہ کیفیت نصیب ہوجائے تو اس کو ایمان کہتے ہیں۔

افسوس کہ آج ہم مقام مصطفیٰ ﷺ کی معرفت سے دور ہوگئے اور ہمارے عقائد میں گرد آگئی ہے۔ ہم نے توحید کے نام پر جہالت جمع کرلی۔ مقام مصطفیٰ ﷺ، صحابہ کرام کے عقیدے سے سمجھ میں آتا ہے۔ یاد رکھیں! جس میں جسارت نہ ہو وہ عقیدہ صحابہ کا عقیدہ ہے۔ زبان چپ ہوجائے، بارگاہ مصطفیٰ ﷺ کے سامنے ادب وسکوت ہو تو وہ صحابہ کا عقیدہ ہے اور اسی کو اہلسنت کا عقیدہ کہتے ہیں۔ اگر عقیدہ صحابہ سے لے لیں تو ساری فرقہ بندیاں ختم ہوجائیں۔ یہ امت ایک جگہ ہوسکتی ہے مگر نقطہ ارتکاز کو جاننے کی ضرورت ہے۔ وہ ایک نقطہ جس پر تمام جمع ہوجائیں۔ اس نقطے کی معرفت چاہئے اور وہ نقطہ مقام مصطفیٰ ﷺ کی معرفت ومحبت ہے۔ جو عقیدہ مقام مصطفیٰ ﷺ کی معرفت اور ذاتِ مصطفیٰ ﷺ سے محبت وعشق سے ہٹ کر ہے وہ بدعات وخرافات اور ضلالت ہیں۔

اس کانفرنس میں شیخ الاسلام نے 3 گھنٹے سے زائد خطاب فرمایا اور مقام مصطفیٰ ﷺ کی معرفت اور عقیدہ اہل سنت پر قرآن وحدیث کی روشنی میں بیسیوں دلائل بیان فرمائے۔ یہ خطاب ان شاء اللہ العزیز ماہ دسمبر 2013ء کے شمارہ میں شائع کیا جائے گا۔ ❁❁❁❁❁

دربار عالیہ گولڑہ شریف کے زیر اہتمام

113 ویں سالانہ تاجدار ختم نبوت کانفرنس

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی خصوصی شرکت اور خطاب

دربار عالیہ گولڑہ شریف کے زیر اہتمام 113 ویں سالانہ تاجدار ختم نبوت کانفرنس 25 اگست 2013ء کو گولڑہ شریف میں منعقد ہوئی۔ جس میں ملک بھر سے علماء، مشائخ، دربار عالیہ سے وابستہ سالکین، مریدین عقیدت مندوں، مذہبی و سیاسی رہنماؤں اور عوام الناس نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ سجادہ نشین گولڑہ شریف محترم پیر سید عبدالحق شاہ صاحب مدظلہ اور محترم پیر سید غلام معین الحق شاہ صاحب مدظلہ نے محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کو اس کانفرنس میں شرکت کی خصوصی دعوت دی۔ کانفرنس میں دربار عالیہ گولڑہ شریف کے سجادہ نشینان کے علاوہ دیگر مہمانان گرامی میں محترم مولانا فضل الرحمٰن (سربراہ جمیعت العلماء اسلام)، محترم عبدالغفور حیدری، محترم اعجاز الحق، محترم جاوید ہاشمی، محترم صاحبزادہ ساجد الرحمٰن، محترم راجہ ظفرالحق اور دیگر کئی نامور شخصیات نے بھی شرکت کی۔ محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کے ہمراہ اس کانفرنس میں ناظم اعلیٰ محترم خرم نواز گنڈاپور، نائب ناظم اعلیٰ محترم احمد نواز انجم، محترم سید الطاف حسین شاہ گیلانی اور دیگر تحریکی عہدیداران اور کارکنان نے شرکت کی۔

اس کانفرنس میں محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے ''شان اولیاء اور فیضان نبوت'' کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ

اگر حضور پیر مہر علی شاہؒ صاحب کی حیات طیبہ کے مختلف گوشوں کی طرف نظر دوڑائی جائے تو آپ کی ذات و صفات کے اندر اللہ رب العزت نے آپ کو جامعیت اور ایسا کمال عطا کر دیا کہ حضرت امام حسن بصریؒ کا علم، حضرت اویس قرنیؒ کا عشق، امام احمد بن حنبلؒ اور مجدد الف ثانیؒ کی حق گوئی، امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کی ثقاہت و دلالت، امام طحاویؒ اور امام عسقلانیؒ کی محدثیت، امام زمخشریؒ اور امام بیضاویؒ کی مفسریت اور عربیت، حضرت شیخ ابن عربیؒ اور مولانا رومؒ کے تصوف و سلوک کا اثر، امام جنید بغدادیؒ اور ابوبکر شبلیؒ کی ریاضت، بایزید بسطامیؒ کی حقیقت و معرفت، بابا فرید گنج شکرؒ کی درویشی اور سلطان ہند حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی کرامات کے سارے رنگ آپ کی شخصیت میں نظر آتے ہیں اور جب آپ کی علمیت، فکریت، استدلال، استنباط کو دیکھا جائے تو حضور غوث الاعظم کی غوثیت کا فیض بھی بہتا ہوا نظر آتا ہے۔

نفس مطمئنہ ولایت و کرامت اور فیوضات ربانی و فیوضات محمدی ﷺ کو سمیٹنے کا نفس ہے۔ جب اللہ کا بندہ اطاعت، فرمانبرداری، حسن اخلاق، حسن احوال، مجاہدات اور کرامات کے ذریعے سے مختلف گھاٹیوں سے گزرتا ہوا صالحیت کے مقام پر قدم رکھتا ہے تو وہاں خدا کی بارگاہ سے اچھی رغبتیں اس کے دل کو کھینچتی چلی جاتی ہیں۔ اچھی رعنائیاں اور قربتیں اسے دنیا سے دور کرتی اور قربت خدا میں فنا کرتی چلی جاتی ہیں۔ وہ بندہ کبھی ''فی اللہ'' کے مقام پر نظر آتا ہے۔۔ کبھی ''الی اللہ'' کے مقام پر نظر آتا ہے اور کبھی ''علی اللہ'' کے مقام پر فائز نظر آتا ہے۔ بالآخر ایک وہ مقام آتا ہے کہ وہ ہستی مرج البحرین کا مصداق بن

جاتی ہے، اس میں کبھی غوث الوریٰ کا بہتا ہوا سمندر عشق نظر آتا ہے اور کبھی خواجہ اجمیر کا بہتا ہوا روحانیت کا سمندر نظر آتا ہے۔ جب یہ سمندر اکٹھے ہوجائیں تو حضرت پیر مہر علی شاہؒ کی ہستی نظر آتی ہے۔

طریقت و ولایت کے باب میں اللہ کے ولی کو دو طریق سے فیضِ مصطفیٰ ﷺ مل رہا ہوتا ہے۔ ایک کو طریقِ ولایت اور دوسرے کو طریقِ نبوت کہتے ہیں۔ جو اولیاء فیضانِ مصطفیٰ ﷺ کو سمیٹنے کے لئے طریق ولایت پر چل رہے ہوتے ہیں۔ وہ قطبیت کی رہ کے مسافر ہوتے ہیں۔ جو اولیاء طریق نبوت پر چل رہے ہوتے ہیں وہ بھی فیض مصطفیٰ ﷺ ہی کو سمیٹ رہے ہوتے ہیں۔ اس طریق پر فیض مصطفیٰ ﷺ میں شعب ابی طالب کا فیض ملتا ہے۔ اس فیض مصطفیٰ ﷺ میں غار ثور کا فیض ملتا ہے۔ اس فیض مصطفیٰ ﷺ میں طائف کی وادی کا فیض ملتا ہے۔ اس فیض مصطفیٰ ﷺ میں ہجرت مدینہ کا فیض ملتا ہے۔ اس فیضِ مصطفیٰ ﷺ میں کبھی فقر ہے کبھی سلطانی ہے۔ کبھی عظمت ہے کبھی درویشی ہے، کبھی عبدیت ہے کبھی فنائیت ہے۔ دنیا کے رنگ آتے جاتے ہیں مگر اللہ کے ولی کا رنگ ختم نہیں ہوتا۔ کبھی عرفان کا رنگ، کبھی مجددیت کا رنگ، کبھی ولایت کا رنگ۔ جو ولی طریق نبوت پر چلتا ہوا طریق مجددیت پر جا رہا ہوتا ہے اسے فیض بارگاہ مصطفیٰ ﷺ کا ہی ملتا ہے مگر بواسطہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ ملتا ہے اور جو طریق ولایت پر چل رہے ہوتے ہیں انہیں فیض بارگاہ علی شیر خدا سے مل رہا ہوتا ہے۔

یہی اولیاء اپنی ولایت میں نسبتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ کسی کو نسبتِ اطاعت مل رہی ہوتی ہے۔ کسی کو نسبتِ معرفت مل رہی ہوتی ہے، کسی کو نسبتِ عشق مل رہی ہوتی ہے، کسی کو نسبتِ جذب مل رہی ہوتی ہے، کسی کو نسبتِ ذوق مل رہی ہوتی ہے۔ جب یہ ساری نسبتیں منتہائے کمال اور منتہائے مقصود تک پہنچتی ہیں وہاں اللہ کے ولی کی نسبتِ عبدیت کا آغاز ہوجاتا ہے۔

1890ء کی بات ہے، پیر مہر علی شاہؒ مکہ معظّمہ میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے پاس موجود ہیں۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ آپ کو بلا کر ایک پیشین گوئی اپنے کشف اور بصیرت کی بنیاد پر کر رہے ہیں کہ عنقریب ہندوستان کی سرزمین پر ایک بہت بڑا فتنہ دم مارنے والا ہے، جس کا سد باب آپ کی ذات سے متعلق ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ اے پیر مہر علی شاہؒ اگر آپ علماء ہند میں جا کر خاموش بھی بیٹھ جائیں تب بھی وہ فتنہ جیت نہیں سکے گا۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ خواب کی حالت میں آقا علیہ السلام نے مجھے مرزا قادیانی کی ترید کا حکم فرمایا کہ وہ شخص میری احادیث کو تاویل کی قینچی سے کتر رہا ہے اور آپ خاموش بیٹھے ہیں۔ اب اللہ کا ولی کیسے خاموش رہ سکتا تھا، وہ آئے اور آکر قادیانیت کے تابوت میں ایسا کیل ٹھونکا کہ یہ فتنہ اپنی موت آپ مرگیا۔

یاد رکھیں! اولیاء سے جنگ اولیاء سے نہیں، اولیاء سے عداوت اولیاء سے نہیں بلکہ خدا سے جنگ اور عداوت ہے۔ جو اولیاء سے نفرت و کدورت رکھتا ہے، بغض رکھتا ہے وہ بغض ان سے نہیں بلکہ خدا کی بارگاہ سے بغض کر رہا ہے۔ جب تک ان اولیاء کرام کے در کھلے ہیں، یہاں علم وعرفان کے چشمے نکلتے رہیں گے۔ یہاں سے علمیت، فکریت، استدلال اور استنباط کے علوم نکلتے رہیں گے اور کوئی فتنہ اللہ کے فضل سے دم نہ مار سکے گا۔ ان اولیاء کا فیض جاری ہے، لہٰذا ان فتنوں کا قلع قمع ہوتا رہے گا۔ حضرت پیر مہر علی شاہؒ کی سیف جلی چلتی رہے گی اور ہر فتنے کا سر قلم کرتی رہے گی۔

محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کے خطاب کو سجادہ نشینان دربار شریف، جملہ مہمانان گرامی اور شرکاء نے بے حد سراہا۔ اس موقع پر سجادہ نشین دربار عالیہ محترم پیر سید عبدالحق شاہ صاحب اور محترم پیر سید غلام معین الحق شاہ صاحب نے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری اور تحریک منہاج القرآن کیلئے نیک جذبات وخواہشات کا اظہار فرمایا اور انہیں عالم اسلام کا عظیم سرمایہ و اثاثہ قرار دیا۔

محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کا دورۂ یورپ

گذشتہ ماہ جون 2013ء میں صدر فیڈرل کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے یورپ کے درج ذیل ممالک کا خصوصی تنظیمی و دعوتی دورہ کیا۔

۱۔سویڈن ۲۔ ناروے ۳۔ڈنمارک

ان ممالک کے دورہ کے دوران انہوں نے کانفرنسز اور ورکرز کنونشنز میں خصوصی شرکت کی اور خطابات کیئے۔ علاوہ ازیں ان ممالک کی متعدد نمایاں شخصیات اور منہاج القرآن انٹرنیشنل کی متعلقہ تنظیمات و کارکنان سے بھی خصوصی ملاقاتیں کیں۔ اس دورہ کی اجمالی رپورٹ نذر قارئین ہے:

۱۔سویڈن

صدر فیڈرل کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے 21 جون 2013ء کو مالمو(سویڈن) کا دورہ کیا جہاں انہوں نے تحریک منہاج القرآن کے تنظیمی عہدیداران سے ملاقات کی اور کارکنان سے خطاب کیا۔ اس موقع پر سیکریٹری جنرل منہاج یورپین کونسل محمد بلال اوپل اور ڈنمارک کے دیگر عہدیداران بھی ان کے ہمراہ تھے۔ ڈائریکٹر منہاج القرآن انٹرنیشنل سویڈن علامہ حسن اعوان نے دیگر مقامی قیادت کے ہمراہ منہاج القرآن انٹرنیشنل سویڈن کے مرکز پر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری شاندار استقبال کیا۔

اس موقع پر منعقدہ تقریب میں ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کو مقامی تنظیم کے کارگردگی سے آگاہ کیا گیا۔ آپ نے کارکنان سویڈن کی اعلیٰ کارگردگی کو سراہتے ہوئے مبارکباد دی۔

۲۔ ناروے

مورخہ 23جون 2013ء محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری اپنے دو روزہ دعوتی وتربیتی دورہ پر صدر منہاج یورپین کونسل اعجاز احمد وڑائچ کے ہمراہ ناروے پہنچے۔ منہاج القرآن انٹرنیشنل ناروے کے مختلف فورمز کے عہدیداران نے ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کا شاندار استقبال کیا، اس موقع پر ڈائریکٹر منہاج القرآن انٹرنیشنل ناروے علامہ محمد اقبال فانی، نائب صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل محمداصغر ممبر ایگزیکٹو ابوبکر الصدیق، صدر منہاج ویمن لیگ اوسلو ناروے عائشہ اقبال، صدر منہاج سسٹر لیگ انعم بٹ، صدر منہاج یوتھ لیگ اویس اعجاز، صدر منہاج پیس اینڈ انٹی گریشن konfliktråd شیخ افتخار، سیکرٹری منہاج ویلفئر ارشد نثار، قیصر محمود اور عمر فاروق موجود تھے۔

☆ منہاج القرآن انٹرنیشنل ناروے کے مرکز پر ورکرز کنونشن اور محفل شب برأت منعقد ہوئی۔ ان پروگرامز کی صدارت ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے کی۔

منہاج یوتھ کے حافظ عمران علی، حیات المیر خان اور منہاج سسٹرز ناروے نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہدیہ نعت پیش کی۔ نقابت کے فرائض علامہ حافظ صداقت علی پرنسپل منہاج سکول اوسلو نے انجام دیئے۔ منہاج القرآن انٹرنیشنل ناروے کے تمام فورمز کے عہدیداران نے اپنی کارکردگی رپورٹ پیش کی۔ مشن مصطفوی اور اس کے تقاضوں کے موضوع پر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے خصوصی خطاب کیا۔ اس پروگرام میں منہاج القرآن انٹرنیشنل ناروے کی تنظیم کے عہدیداران، منہاج یوتھ لیگ، منہاج ویمن لیگ اور کارکنان کے علاوہ دیگر کثیر افراد نے شرکت کی۔

☆ شب برات کے عظیم الشان پروگرام میں ایک چائینی خاتون نے ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔اس کا اسلامی نام " زینب علی "رکھا گیا۔ ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے نومسلم لڑکی کو نارویجن عرفان القران کا ترجمہ اور پھولوں کا گلدستہ تحفے میں دیا اور اسلام قبول کرنے پر خصوصی مبارکباد دیتے ہوئے ایمان کی سلامتی اوراستحکام کی دعا دی۔

۳۔ ڈنمارک

☆ محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے میٹروپول یونی ورسٹی (Metropol University) کوپن ہیگن ڈنمارک میں ''جدید جمہوریت کا اسلامی نظریہ'' کے عنوان سے منعقدہ کانفرنس میں خصوصی شرکت کی۔ اس کانفرنس کا اہتمام منہاج القرآن یوتھ لیگ ڈنمارک اور یونی ورسٹی طلباء نے کیا۔ ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے کہا انسان کا عمل اور کردار اس کے نظریے اور عقیدے کی مطابقت میں نہ ہو تو خالی اسلام کا دعویٰ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ منہاج القرآن انٹرنیشنل آج دنیا بھر میں مسلمانوں کو اُس عظیم اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی کوششوں میں مصروف عمل ہے جس کا نعرہ لگانے والے تو بے شمار ہیں مگر اس پر عمل کر کے مسلم اور غیر مسلم سب کے لیے امن و آشتی کا پیامبر بننے والے دنیا میں خال خال ہی نظر آتے ہیں۔

اہل مغرب بار بار کے تجربات کے بعد جس آفاقی اصول پر متفق ہوئے ہیں، اسلام نے چودہ سو سال پہلے انہی آفاقی اور الہامی اصولوں پر اپنے نظریات اور اصولوں کی بنیاد رکھی اور اپنی ریاست میں تمام شہریوں کے حقوق اور شخصی آزادی کی ضمانت فراہم کی، جب کہ مغربی معاشرہ میں گزشتہ صدی تک بھی اس کا تصور موجود نہیں تھا۔ فرق اتنا ہے کہ مغربی معاشرہ انسانی خواہشات کی بنیاد پر قانون سازی کرتا ہے جبکہ اسلامی ریاست کے سارے قانون عقل سلیم کے مطابق اور آفاقی و الہامی ہوتے ہیں۔

اس موقع پر انہوں نے کارکنان تحریک کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ منہاج القرآن کے کارکن بیرونی دنیا میں پاکستان اور اسلام کے سفیر ہیں، آپ کے عمل اور رویے کو دیکھ کر دنیا اسلام اور مسلمانوں کے کردار کا جائزہ لیتی ہے۔ لہٰذا آپ امن پسند رہیں، ملکی قوانین کا احترام کریں اور اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے انسانیت اور قوم کی خدمت جاری رکھیں۔ چند مٹھی بھر شرپسند اسلام کو یرغمال بنانا چاہتے ہیں، ایسے دین دشمنوں سے دور رہیں جو ہر جگہ فتنہ اور فساد بپا کرتے ہیں۔ ان شرپسندوں کی تعلیمات کا اسلام سے دور دور تک کا کوئی واسطہ نہیں۔ یہ کبھی خلافت کے قیام اور کبھی جمہوریت کی نفی پر نوجوان نسل کے ذہن کو منتشر کرتے ہیں اور اسلام کے نام پر نئے فتنوں کے بیج بوتے ہیں جو سراسر جہالت ہے۔

اس تاریخ ساز کانفرنس میں منہاج یورپین کونسل کے نائب امیر عبد الستار سراج، منہاج القرآن ناروے کے ترجمان نومسلم ابوبکر، ارجنٹائن سے نومسلم میٹس عبد الما لک اور منہاج القرآن ڈنمارک اور منہاج القرآن ویمن لیگ کے سیکڑوں نمائندے شریک ہوئے۔ کانفرنس کا آغاز منہاج یوتھ لیگ سسٹرز کی صدر محترمہ مسرت ظہور احمد کی ویلکم اسپیچ سے ہوا قاری ندیم اختر نے تلاوت کی۔ منہاج یوتھ لیگ کے سرگرم رکن اسد نصیر نے منہاج القرآن انٹرنیشنل کا تعارف کروایا۔

☆ مرکز منہاج القرآن انٹرنیشنل ڈنمارک کے زیر اہتمام معراج مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معراج انسانیت تک کے عنوان سے پروگرام منعقد ہوا جس میں ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے خصوصی خطاب کیا۔ سفیر پاکستان فوزیہ عباس نے پاکستانی ایمبیسی ڈنمارک کے عملے کے ہمراہ اس پروگرام میں شرکت کی اور محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری سے خصوصی ملاقات کی۔

علاوہ ازیں علامہ عبدالستار سراج (امیر منہاج القرآن ڈنمارک)، سید محمود شاہ (صدر منہاج القرآن ڈنمارک)، علامہ حسن اعوان (ڈائریکٹر منہاج القرآن سویڈن) اور منہاج سکالرز فورم کے صدر سید نعیم شاہ سٹیج پر جلوہ افروز تھے۔ نقابت کے فرائض علامہ ادریس احمد الازہری نے ادا کیے۔ قاری ندیم اختر نے تلاوت کی۔ راجہ محمد اکبر، سید حسین شاہ اور اعجاز گوندل نے آقاء دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں گلہائے عقیدت پیش کیے۔ محمد ضوریز خوشدل نے معراج النبی کے موضوع پر ڈنمارک کی مسلم نوجوان نسل کی راہنمائی کے لئے ڈینش زبان میں گفتگو کی۔

ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے کہا کہ ہمیں معراج مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ سفر معراج میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہیں اپنی منزل پر جمی بھی تھیں اور جھکی بھی تھیں اور ادھر ادھر کے مناظر میں مشغول نہیں ہوئیں حالانکہ راستے میں لاکھوں عجائب تھے

جس میں ہمارے لئے سبق یہ ہے کہ مسلمان کی نظر منزل پر رہے اور دنیا کی مشکلات اسے منزل سے غافل نہ کریں۔ سفر معراج میں دوسرا سبق عاجزی وانکساری کا ہے۔ قرآن میں اللہ رب العزت نے گواہی دی کہ اتنے بلند مقام پر پہنچ کر بھی آپ کے دل میں عاجزی تھی۔ اس میں ہمارے لئے سبق یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کائنات کا سب سے بلند مقام پا کر بھی عاجزی نہیں چھوڑی، اسی طرح ہمیں جتنی بھی مادی یا روحانی ترقی بھی مل جائے عاجزی وانکساری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

☆ منہاج القرآن انٹرنیشنل ڈنمارک کے زیر اہتمام ورکرز کنونشن منعقد ہوا۔ اس پروگرام میں ڈنمارک بھر سے منہاج القرآن کی جملہ تنظیمات، یوتھ لیگ، سسٹر لیگ، منہاج القرآن یورپین کونسل ڈنمارک اور ناروے کے عہدیداران اور کارکنان نے خصوصی طور پر شرکت کی۔

ورکرز کنونشن میں ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے خصوصی خطاب کرتے ہوئے کہا کہ خوش قسمت ہیں وہ افراد جنہیں مادیت پرستی کے اس دور میں اللہ تعالیٰ اپنے دین متین کی خدمت اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُخروی پیغامِ امن و انسانیت کی ترویج و اشاعت کے لیے منتخب کرلے۔ پھر ایسے افراد پر لازم ہے کہ وہ خود کو اپنے عمل، یقین اور قول و فعل میں یکسوئی اور انہماک سے اس ذمہ داری کا اہل ثابت کریں۔

کسی بھی تحریک کی کامیابی کا دار و مدار اس کے کارکنوں کے مسلسل متحرک رہنے پر ہی منحصر ہے۔ تحریک منہاج القرآن درحقیقت احیائے دین کی عملی جد و جہد سے عبارت ہے۔ کامیابی کے لیے غیر ضروری بحث و تکرار میں الجھنے سے کارکنوں کی صلاحیتیں برباد ہوجاتی ہیں۔ اس سے ان کے اندر تقویٰ و طہارت اور للّٰہیت وخلوص میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں جس سے فائدہ اٹھا کر شیطانی طاقتیں انہیں گمراہ کر دیتی ہیں۔

منہاج القرآن کا سفر انفرادی اور اجتماعی زندگی میں خالصتاً للّٰہیت کا پیکر بن کر معاشرے میں ظلم و جبر اور ناانصافی کا خاتمہ ہے۔ ہمیں اپنی زندگی میں وہ انقلاب لانا ہے کہ جو ہمارے کردار کو دیکھے اسے دوغلا پن نظر نہ آئے۔ یوں لوگ ہماری کہی ہوئی بات پر اعتماد کریں گے۔ قائد عمارت کی اوپری منزل پہ کھڑا چاروں اطراف دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے جبکہ نیچے کھڑے ہونے والوں کی نظریں ان حالات کا مشاہدہ نہیں کرسکتیں۔ کارکن وہ ہے جسے قائد پر اس طرح یقین اور اعتماد ہو کہ اس کے دل میں شیطان شکوک وشبہات اور وسوسے نہ ڈال سکے۔ آپ ایک نظریاتی تحریک کے کارکن ہیں۔ اپنے قائد اور نظریے کی کامیابی پر پختہ یقین رکھیں۔ مستقل مزاجی اور مستعدی سے کام کریں۔ آپ کا یہ عمل عبادت ہے۔ ہمیں اپنے اصولوں اور مقاصد پر سمجھوتا نہیں کرنا، اس لیے کہ بنیادی نظریے سے محروم قومیں کمزور، بزدل اور مفاد پرستی کا شکار ہو جاتی ہیں۔

☆ منہاج القرآن ویمن لیگ اور سسٹر لیگ ڈنمارک کے ملک گیر ورکر کنونشن میں ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے خصوصی شرکت کی۔ اس کنونشن میں منہاج القرآن ڈنمارک کے چاروں مراکز کی ویمن لیگ، سسٹر لیگ اور متحرک خواتین کارکنان شریک تھیں۔ پروگرام میں تلاوت کی سعادت منہاج القرآن کی طالبہ فاطمہ نے حاصل کی۔ منہاج ویمن لیگ کی ناظمہ اطلاعات شبانہ احمد نے آقا علیہ السلام کی بارگاہ اقدس میں عقیدت کے پھول نچھاور کیے۔ منہاج ویمن لیگ ڈنمارک کی صدر نفیس فاطمہ نے استقبالیہ پیش کیا اور چاروں مراکز کی ویمن لیگ اور یوتھ لیگ سسٹر کی کارکردگی رپورٹ پیش کی۔ پروگرام کی نقابت کے فرائض منہاج سسٹر لیگ کی صدر مسرت ظہور احمد نے احسن انداز میں ادا کیے۔

ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے تفصیلی خطاب کرتے ہوئے کہا کہ دنیا میں نیکی اور بدی دونوں طاقتیں پائی جاتی ہیں، اللہ پاک نے ہر برے اور اچھے عمل کا انجام لکھ دیا ہے لیکن اچھا یا برا عمل کرنے کا اختیار انسان کے ہاتھ میں ہے کہ وہ کون سی راہ پر چلے۔ روح نیک اعمال سے طاقتور ہوتی ہے اور شیطان برے اعمال سے۔ ہم روح کی جماعت کے پیروکار رہیں ہم نے ایسے اعمال نہیں کرنے جن سے شیطان طاقتور ہو۔ ہم سب نے خود کو دنیا داری، جھوٹ، مکرو فریب، تعصب، شہوت پرستی جیسی بیماریوں سے دور رکھنا ہے تا کہ ہم روح اور نفس کے معرکے میں روح کو جتوا سکیں اور ہم اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے اطاعت گزار بندے بن جائیں۔

❁❁❁❁❁

بیداریٔ شعور و پیغامِ انقلاب مہم

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری

کے مختلف شہروں کے دورہ جات

ورکرز کنونشنز اور بیداریٔ شعور عوامی اجتماعات سے خصوصی خطابات

گذشتہ ماہ چیئرمین سپریم کونسل تحریک منہاج القرآن محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے عوامی بیداریٔ شعور اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے پیغام انقلاب کو کما حقہ عوام الناس تک پہنچانے کے سلسلے میں حافظ آباد، گوجرانوالہ، ایبٹ آباد، کامرہ، جہلم، راولپنڈی اور چکوال کے دورہ جات کئے اور وہاں ورکرز کنونشنز اور بیداریٔ شعور عوامی اجتماعات سے خصوصی خطابات کئے۔ ان شہروں کے دورہ جات کے دوران راستہ میں آنے والے دیگر شہروں میں بھی آپ نے کارکنان سے ملاقاتیں کیں اور تربیتی گفتگو فرمائی۔ ذیل میں ان دورہ جات کی مختصر رپورٹ نذرِ قارئین ہے:

1۔ حافظ آباد

چیئرمین سپریم کونسل تحریک منہاج القرآن محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری اپنے خصوصی دورہ جات کے پہلے مرحلہ میں 27 ستمبر 2013ء کو حافظ آباد پہنچے۔ حافظ آباد جناح ہال میں پاکستان عوامی تحریک ضلع حافظ آباد کے تحت بیداریٔ شعور کانفرنس کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس موقع پر صدر پاکستان عوامی تحریک شیخ زاہد فیاض، علامہ سید فرحت حسین شاہ، مفتی محمد شریف رضوی، پیر وسیم الحسن شاہ، کرنل (ر) علی احمد اعوان، بدر الزمان چٹھہ، امداد علی بھٹی پاکستان عوامی تحریک پنجاب کے صدر بشارت عزیز جسپال اور پنڈال میں ہزاروں مرد و خواتین بھی موجود تھے۔ اس کانفرنس میں محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے خصوصی خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج پاکستان میں نہ مساجد محفوظ ہیں نہ مسیحی گرجا گھر، امام بارگاہیں اور نہ ہی اولیاء کرام کے مزارات، مسلم و غیر مسلم سب عدم تحفظ کا شکار ہیں۔ بدقسمتی سے اس ملک میں رائج مروجہ نظام حکومت اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم نے معاشرے میں انتشار اور بے چینی کو فروغ دیا ہے۔

پاکستان کا آئین اس ملک کے ہر شخص اور خاندان کے معاشی حالات اور دولت کی منصفانہ تقسیم کا وعدہ کرتا ہے لیکن اس ملک پر حکومت کرنے والے نا اہل سیاستدانوں نے جب قانون، دستور اور آئین کے ساتھ وعدہ نہیں نبھایا تو قوم ان مفاد پرستوں کا ساتھ دیکر کونسا وعدہ نبھا رہی ہے؟

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے انتخابات سے پہلے قوم کو آگاہ کیا تھا کہ اس عوام دشمن نظام انتخاب کے تحت جن کو ووٹ دے رہے ہو یہ وہی 2فی صد مقتدر طبقہ ہے جو کئی دہائیوں سے عوام کے بنیادی حقوق پامال کر رہا ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری ظالموں سے تمہارے حقوق چھین کر تمہیں تحفظ دینا چاہتے ہیں۔ اس ظالم نظام کے ہاتھوں گھروں میں بیٹھ کر مرنے کی بجائے اپنے حق کے حصول کیلئے ڈاکٹر طاہر القادری کے ساتھ مل کر میدان میں اترو۔ شیخ الاسلام اس ملک کو حقیقی اسلامی فلاحی مملکت بنانا چاہتے ہیں۔ حافظ آباد کا یہ اجتماع کرپٹ انتخابی نظام کے خلاف اعلان جنگ کا درجہ رکھتا ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری کی صورت میں قوم کو جرأت مند اور حقیقی قیادت میسر آ چکی ہے۔ ہر محبّ وطن پاکستانی پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ملک میں حقیقی تبدیلی کیلئے ڈاکٹر طاہر القادری کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے کروڑوں نمازیوں کی صف میں شامل ہوکر انقلاب کی راہ کا مسافر بن جائے، کیونکہ موجودہ نظام سے کسی خیر کی توقع نہیں۔ یہ نظام عوام کو غلام بنانے کیلئے بنایا گیا ہے۔ حکمران اور سیاستدان اس فرسودہ نظام کے تحفظ کیلئے

کوشاں ہیں۔ اس نظام میں غریبوں کے حقوق غضب ہو رہے ہیں۔ تبدیلی اس نظام کا حصہ بننے سے نہیں بلکہ اس سے باہر نکل کر اس کو زمین بوس کرنے سے آئیگی۔

2۔ گوجرانوالہ (رپورٹ: ساجد محمود بھٹی)

حافظ آباد کے بعد مورخہ 28 ستمبر 2013 کو ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نوشہرہ ورکاں (گوجرانوالہ) پہنچے اور منہاج القرآن اسلامک سنٹر نوشہرہ ورکاں، گوجرانوالہ کے سنگ بنیاد کی تقریب میں خصوصی شرکت کی۔ محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا نوشہرہ ورکاں بلال چوک میں والہانہ استقبال کیا گیا۔ تقریب میں محترم پیر میاں محمد حنفی سیفی (آستانہ عالیہ حنفیہ سیفیہ)، محترم پیر سلطان محمد علی، امیر تحریک گوجرانوالہ محترم عمران علی ایڈووکیٹ، ناظم تحریک محترم سرفراز حسین نیازی نے محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، صدر پاکستان عوامی تحریک محترم شیخ زاہد فیاض اور زونل ناظم گوجرانوالہ محترم ساجد محمود بھٹی کا والہانہ استقبال کیا۔ اس موقع پر محترم پیر میاں محمد حنفی سیفی (آستانہ عالیہ حنفیہ سیفیہ) اور صدر پاکستان عوامی تحریک محترم شیخ زاہد فیاض نے بھی خطاب کیا۔

محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے تحریک منہاج القرآن نوشہرہ ورکاں، گوجرانوالہ کی تنظیم کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ منہاج ایجوکیشن سوسائٹی کے تحت ملکی سطح پر 600 سے زائد تعلیمی ادارے (انگلش و اردو میڈیم) نئی نسل میں فروغِ تعلیم، بیداری شعور اور فکری و نظریاتی تربیت کے ساتھ قومی ترقی میں اہم فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ جن میں بنیادی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ افراد کو معاشرے کا اہم رکن بنانے کے لیے اخلاقی، روحانی، سائنسی، طبی اور پیشہ وارانہ رہنمائی بھی فراہم کی جاتی ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری عالم اسلام کی علمی و فکری اور ہمہ جہت شخصیت ہیں۔ نہ صرف پاکستان بلکہ پوری ملتِ اسلامیہ کی تاریخ کے دورِ جدید کے مؤسس (مجدد رواں صدی) اور روشن مستقبل کی نوید سحر ہیں۔

☆ نوشہرہ ورکاں میں اسلامک سنٹر کے سنگ بنیاد رکھنے کے بعد محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری گوجرانوالہ پہنچے۔ جہاں ان کا بے مثال اور پرتپاک استقبال کیا گیا۔ محترم شیخ سیف اللہ صدر پاکستان عوامی تحریک گوجرانوالہ سٹی کی رہائش گاہ پر مقامی تنظیم نے معززین علاقہ اور ورکرز کے اعزاز میں ڈنر کا اہتمام کیا تھا، اس تقریب میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے خصوصی شرکت کی۔ اس موقع پر ساجد محمود بھٹی زونل ناظم گوجرانوالہ، ظہیر احمد نقشبندی زونل ناظم دعوت، امیر تحریک ضلع گوجرانوالہ عمران ایڈووکیٹ، سید محمود الحسن شاہ کوآرڈینیٹر گوجرانوالہ اور دیگر قائدین بھی موجود تھے۔ پروگرام کی میزبانی شیخ سیف اللہ نے کی جبکہ اس کے آرگنائزر محمد فاروق تھے۔ شفاقت علی نے منہاج پراجیکٹ کی مختصر بریفنگ دی۔ بعد ازاں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے شرکاء سے گفتگو کرتے ہوئے تحریک منہاج القرآن کے زیر انتظام تعلیم، صحت، فلاح عام اور دیگر منصوبہ جات کے لئے بڑھ چڑھ کر حصہ لینے پر گوجرانوالہ کی تنظیم کو مبارک باد پیش کی اور اس تقریب میں اسلامی تاریخ میں اداروں کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ دین کی اشاعت کے کاموں میں حصہ لینے کی توفیق اپنے منتخب شدہ بندوں کو دیتا ہے۔ تعلیمی ادارے کسی بھی تحریک کے صدیوں تک تسلسل کے ضامن ہوتے ہیں۔ یہ ادارے جب تک دین کے فروغ کا کام کرتے رہیں گے، اس کی تعمیر میں حصہ لینے والوں کو اس کا اجر ملتا رہے گا۔

☆ 29 ستمبر 2013ء کو گوجرانوالہ سٹی کے تمام تنظیمی ذمہ داران کے ساتھ نشست ہوئی جس سے ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے خطاب کیا۔ عمران علی ایڈووکیٹ ضلعی صدر تحریک TMQ نے استقبالیہ کلمات پیش کیے۔ ساجد محمود بھٹی نے ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کو گوجرانولہ ڈویژن کے وزٹ پر خوش آمدید کہا۔

کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے دین کی خدمت کرنے والوں کے لیے دنیا و آخرت میں کامیابیاں لکھ دی ہیں۔ مصطفوی انقلاب پاکستانی قوم کا مقدر ہے اور ان شاء اللہ تحریک منہاج القرآن کے کارکنان اپنے محبوب قائد کی قیادت میں اس انقلاب کو برپا کر کے رہیں گے۔ ہمیں اپنی توانائیوں کو از سر نو منظّم کر کے ایک کروڑ نمازیوں کی تیاری کے ہدف کو حاصل کرنا ہوگا۔ مرد و خواتین کو باہر نکلنا ہوگا، گھر گھر جا کر ہر دروازے پر دستک دے کر قائد انقلاب کا پیغام پہنچانا ہوگا اور نمازیوں کو تیار کرنا ہوگا۔ قافلہ انقلاب رواں دواں ہے اور ان شاءاللہ منزل پر پہنچ کر دم لے گا۔

اس نشست کے اختتام پر 23 دسمبر سے 11 مئی تک شاندار کارکردگی دکھانے والے ذمہ داران میں اسناد اور شیلڈز تقسیم کی گئیں۔

☆ اسی شام بعد نماز ظہر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے حضرت ابو البیان پیر سعید احمد مجددیؒ کے مزار پر حاضری دی۔ حضرت علامہ سعید احمد مجددیؒ کے جانشین محترم علامہ محمد رفیق احمد مجددی (امیر اعلیٰ عالمی ادارہ تنظیم الاسلام) نے اپنے مریدین اور جامعہ کے اساتذہ کے ساتھ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا استقبال کیا اور محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری سے خصوصی ملاقات میں شیخ الاسلام کی بین الاقوامی اور قومی سطح کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا اور منہاج القرآن کے ساتھ علمی تعاون کو جاری رکھنے کے عزم کا اظہار کیا۔ بعدازاں علمائے کرام کی ایک نشست سے ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے علم کے حصول کے تین ذرائع ''کتاب، محبت اور مشاہدہ'' پر مفصل، جامع اور مدلل گفتگو کی۔

☆ بعدازاں آپ نے PP-98 گوجرانوالہ اسلامک سنٹر (زیر تعمیر) میں مسجد کی تعمیر کا سنگ بنیاد رکھا اور مقامی تنظیم کو اسلامک سنٹر کی تعمیر پر مبارکباد پیش کی۔

3۔ ایبٹ آباد

محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری بیداریٔ شعور و پیغام انقلاب مہم کے سلسلہ میں 4 اکتوبر کو ایبٹ آباد تشریف لے گئے۔ ایبٹ آباد میں آپ نے بار کلب فوارہ چوک میں بیداری شعور عوامی اجتماع سے خصوصی خطاب کیا۔ اس موقع پر پاکستان عوامی تحریک کے سیکرٹری جنرل خرم نواز گنڈا پور، نائب ناظم اعلیٰ احمد نواز انجم، مرکزی سیکرٹری اطلاعات قاضی فیض الاسلام اور تحریک منہاج القرآن اور پاکستان عوامی تحریک ایبٹ آباد، ہری پور اور حویلیاں کے مقامی قائدین بھی موجود تھے۔ ڈاکٹر حسن محی الدین القادری نے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ کرپٹ نظام انتخاب اور موروثی سیاست کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کیلئے انقلابیوں کی صف بندی شروع ہوچکی۔ جلد اقامت کہی جائے گی اور انقلاب کی جماعت ڈاکٹر طاہر القادری کی امامت میں قائم ہو گی۔ جماعت کے قیام کے ساتھ ہی ملک سے شیطانی سیاست رخت سفر باندھے گی۔ اکڑی گردنوں والے فراعین، نمرود اور شداد پاکستانی سیاست کی بساط پر ایسی مات کھائیں گے جسے آنے والی نسلیں ذلت و رسوائی کے استعارے کے طور پر یاد رکھیں گی۔

میثاق مدینہ کے نفاذ کی باتیں کرنے والے اس کی الف ب سے واقف نہیں۔ غلامان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی مدینہ کے نظام کو جانتے ہیں اور اللہ کی توفیق سے وہی اس عظیم تر نظام کو عوامی قوت کے ساتھ نافذ بھی کریں گے۔ ہم نے ملک سنوارنے کی قسم کھائی ہے، وہ وقت دور نہیں جب عوام ان ظالموں سے اپنا حق چھین کر واپس لیں گے۔ جب اس ملک کے غریب عوام جوتے کی نوک سے ظالموں کو ٹھکرانے کی جرات کرلیں گے تو اس دن انقلاب اس دھرتی کا مقدر بن جائے گا۔

4۔ کامرہ

محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری بیداریٔ شعور مہم کے سلسلہ میں 5 اکتوبر کو کامرہ تشریف لے گئے۔ پاکستان عوامی تحریک کامرہ کے زیر اہتمام کامرہ میں بیداریٔ شعور عوامی اجتماع میں خصوصی شرکت کی۔ ناظم اعلیٰ تحریک خرم نواز گنڈا پور، نائب ناظم اعلیٰ احمد نواز انجم، نائب ناظم پنجاب راجہ ساجد محمود اور تحریک منہاج القرآن و پاکستان عوامی تحریک کامرہ کے قائدین بھی سٹیج پر موجود تھے۔ عوامی اجتماع میں ہزاروں خواتین و مرد شریک تھے۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کو بہت بڑی استقبالی ریلی کے ساتھ پنڈال میں لایا گیا۔

اس موقع پر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ملکی اداروں کو لوٹ سیل پر لگانے والوں کی لوٹ سیل لگنے والی ہے۔ عوام جرأت کی طاقت سے لٹیروں کو کوڑیوں کے مول فروخت کرنے کیلئے اٹھنے والے ہیں۔ ڈاکٹر طاہر القادری نے انقلاب کی جماعت قائم کرنے کیلئے دو کروڑ ووٹرز کو نہیں نمازیوں کو کال دی ہے جو استقامت کے ساتھ اُس وقت تک ڈٹے رہیں جب تک سیاست کے شیطان بھاگ نہیں جاتے۔ پاکستان عوامی تحریک کے کارکن دو کروڑ نمازیوں کیلئے صفیں بچھاتے جائیں جلد ہی اقامت کہی جائے گی اور ڈاکٹر طاہر القادری کی امامت میں نماز انقلاب قائم ہو جائے گی جس کے نتیجے میں انقلاب کا سویرا طلوع ہوگا۔ پاکستان میں کرپٹ نظام انتخاب کے ہوتے ووٹ کے ذریعے کبھی تبدیلی نہیں آئے گی۔ ظلم کا سونامی استحصالی نظام کی شکل میں عوام کے حقوق کو خس و خاشاک کی طرح بہائے جا رہا ہے۔

موجودہ نظام انتخاب بدنام زمانہ ابن بدنام زمانہ کو مقتدر بنا تا چلا آ رہا ہے۔ ظالموں کو اپنا حکمران منتخب کرنے کی وجہ سے ہمیں روز سزا مل رہی ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری نے انتخابات سے قبل عوام کو اس نظام کے ہر مکر سے قبل از وقت آگاہ کر دیا تھا مگر قوم نظام کی تبدیلی کیلئے نہیں اٹھی اس طرح ووٹ کے ذریعے تبدیلی کا موقع ضائع کر دیا گیا۔ بھارت نے جمہوریت کو مستحکم کرنے کیلئے 'none for vote' کی آپشن اپنا لی ہے مگر پاکستان میں نام نہاد جمہوریت کے ذریعے عوام کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کا مکروہ عمل جاری ہے۔ پاکستانی عوام ظلم کے نظام میں جکڑ دیئے گئے ہیں۔ خاندانی سیاست کو دوام دینے کیلئے ہر عوام دشمن عمل کو جمہوریت کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ ایسی مکروہ جمہوریت کو سیاست سے باہر پھینکنے کیلئے ہر فرد کو اپنا کردار ادا کرنا ہے۔

5۔ جہلم (رپورٹ: رفعت اقبال قادری)

اتوار 6 اکتوبر مرحبا میرج گارڈن جہلم میں ضلعی ورکرز کنونشن انعقاد پذیر ہوا۔ جس میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری (چیئرمین تحریک منہاج القرآن) نے خصوصی شرکت کی۔

یوتھ لیگ اور ایم ایس ایم کے نوجوان موٹر سائیکلوں کے جھرمٹ میں ریلی کی صورت میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کو لے کر پنڈال میں داخل ہوئے۔ شرکاء نے ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا پُرتپاک استقبال کیا۔ راولپنڈی ڈویژن کے نگران احمد نواز انجم، ایم ایس ایم کے نائب صدر رضی طاہر، مرکزی نگران نظامت تربیت سلیم احمد چوہدری، ضلعی نگران قاضی نصیر اور مرکزی ویمن لیگ کی نمائندگی کے لیے ناظمہ تربیت سیدہ شازیہ مظہر اور ناظمہ دعوت سیدہ نازیہ مظہر بھی محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کے ہمراہ تشریف لائیں۔

تلاوت ونعت کے بعد مرکزی نگران نظامت تربیت سلیم احمد چوہدری اور شیخ زاہد فیاض نے گفتگو کی۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جہلم جانبازوں کا شہر ہے، میں جب لانگ مارچ کے دن یہاں سے گزرا تھا تب بھی لوگوں کے ہجوم واستقبال کو دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا اور آج کھچا کھچ بھرا ہوا پنڈال دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہو گیا ہے۔ قائد نے دو کروڑ نمازی مانگے ہیں ووٹرز نہیں، کیونکہ ووٹر بک سکتے ہیں نمازی بک نہیں سکتے۔ جو خود کو شیر سمجھتے ہیں آج محض 4 ماہ میں ہی ان کی کارکردگی کا پول کھل چکا ہے۔

6۔ راولپنڈی

جہلم میں ورکرز کنونشن سے خطاب کے بعد راولپنڈی ورکرز کنونشن میں شرکت کیلئے ڈاکٹر حسن محی الدین قادری جب گلیانہ موڑ گوجرخان پہنچے تو کارکنان منہاج القرآن نے جی ٹی روڈ پر ان کا والہانہ استقبال فلک شگاف نعروں اور پھولوں کی پتیوں سے کیا۔ اس موقع پر موٹرسائیکل سواروں نے گلیانہ موڑ سے گوجرخان چوک تک استقبالیہ ریلی نکالی۔ مین چوک گوجرخان میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے اہلیان گوجرخان کے عزم واستقامت اور ولولہ وجرأت کو سلام پیش کیا۔ اس موقع پر احمد نواز انجم (مرکزی نائب ناظم تنظیمات پاکستان)، پیر سید صدیق حسین شاہ (امیر تحریک منہا ج القرآن گوجرخان)، تحریک منہاج القرآن گوجرخان، پاکستان عوامی تحریک گوجرخان، مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ گوجرخان، منہاج القرآن یوتھ لیگ کی ایگزیکٹو کونسلز بھی موجود تھے۔ بعد ازاں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی قیادت میں گوجرخان سے راولپنڈی ورکرز کنونشن میں شرکت کیلئے قافلہ راولپنڈی روانہ ہو گیا۔

آرٹس کونسل ہال میں پاکستان عوامی تحریک راولپنڈی، اسلام آباد کے مشترکہ ضلعی ورکرز کنونشن 6 اکتوبر کو منعقد ہوا۔ اس کنونشن میں محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے خصوصی شرکت کی۔ شرکا سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان عوامی تحریک کے مرکزی صدر شیخ زاہد فیاض نے کہا کہ ڈاکٹر طاہر القادری اس ملک کو بدعنوان جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے خونی پنجوں سے نکال کر حقیقی معنوں میں اسلامی، فلاحی اور جمہوری ریاست بنانا چاہتے ہیں۔ تبدیلی کے دعوے دار سر تھامے بیٹھے ہیں، ہم نے پہلے کہا تھا کہ وہ خود بھی مایوس ہوں گے دوسروں کو بھی مایوس کریں گے۔ پاکستان عوامی تحریک کی بیداری شعور مہم اپنے عروج پر ہے، ڈاکٹر طاہر القادری نے عوام کو آئین کا شعور دیا ہے جس آئین پر اگر حقیقی معنوں میں عمل کیا جاتا تو آج غریب عوام کو دردر کی ٹھوکریں نہ کھانی پڑتیں، تبدیلی چاہنے والوں کو پاکستان عوامی تحریک کی نماز انقلاب کا حصہ بننا ہوگا۔ ہم بوسیدہ نظام کو زمین بوس کر کے دم لیں گے۔

تحریک منہاج القرآن کے ناظم اعلیٰ خرم نواز گنڈاپور نے اپنے خطاب میں کہا کہ ابھی حکومت بنے چار ماہ ہوئے ہیں کہ عوام دشمن اقدامات کی وجہ سے ہر شخص ڈاکٹر طاہر القادری کی زبان بول رہا ہے کہ موجودہ نظام حکومت فرسودہ ہے جو ملک کو لے ڈوبے گا۔ موجودہ حکمرانوں نے پچھلی حکومت کے دوران بھیانک کرپشن پر خوب اچھل کود کی مگر اب جب قوم نے انھیں پکڑنے کا اختیار دیا تو چپ سادھ لی جو دونوں کے درمیان مک مکا کا واضح ثبوت ہے۔

تحریک منہاج القرآن کے نائب ناظم اعلیٰ احمد نواز انجم نے اپنے خطاب میں کہا کہ منہاج القرآن کی سب سے بڑی پہچان عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، اس کا تشخص محض مذہبی نہیں بلکہ انقلابی ہے۔ نظام کے خلاف ڈاکٹر طاہر القادری کی جدوجہد نے اسلام اور پاکستان دشمن طبقات کو خوف زدہ کر دیا ہے۔ دو کروڑ افراد کا ہدف وقت سے پہلے حاصل کر کے دم لیں گے۔

کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے کہا ہے کہ عوام کش اقدامات کے ذریعے پاکستان میں جمہوریت کو سر عام مصلوب کیا جا رہا ہے مگر عدالتوں اور الیکشن کمیشن کے ہونٹ سلے ہوئے ہیں۔ تبدیلی کی خواہش رکھنے والے کروڑوں عوام جان چکے ہیں کہ ملک میں رائج استحصالی نظام حکومت کے ہوتے غریب کا مقدر نہیں بدل سکتا اس لئے وہ کشاں کشاں ڈاکٹر طاہر القادری کی امامت میں ہونے والی نماز انقلاب کے دو کروڑ نمازیوں میں شامل ہو رہے ہیں۔ افلاس زدہ معاشرے سے دینی اقدار رخصت ہو جاتی ہیں، جرائم بڑھ جاتے ہیں اور ریاست کے وجود کو خطرات لاحق ہو جاتے ہیں۔ ہمارا سیاست نہیں ریاست بچاؤ نعرہ اسی تناظر میں تھا۔ ایسے حالات میں نظام کی درستگی کیلئے بھرپور جدوجہد کرنا باشعور طبقات پر لازم ہے۔ مقتدر طبقات کے عسکری ونگز، بھتہ خوری، کالعدم تنظیموں سے انتخابی الحاق اور دہشت گردوں سے تعلقات ریکارڈ پر ہیں ایسی صورت میں دہشت گردی کے خاتمے کے دعوے قوم کو دھوکہ دینے کے مترادف ہیں۔ مقتدر طبقات کی لوٹ مار کی وجہ سے 19 کروڑ کی آبادی میں سے 5 کروڑ افراد غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہو چکے ہیں۔ صرف دو لاکھ امراء کی تجوریوں میں سارے ملک کے وسائل بند ہیں۔

کنونشن میں تحریک منہاج القرآن اور پاکستان عوامی تحریک کے مقامی قائدین اے کے گوندل، سعید راجہ، ملک افضل، علامہ حیدر علوی، غضنفر کھوکھر، ابرار رضا ایڈووکیٹ، اشتیاق میر ایڈووکیٹ، غضنفر شاہ، ڈاکٹر واجد، چوہدری جاوید، منصور قاسم، کامران متین، غلام علی خان اور سہیل عباسی کے علاوہ ہزاروں کارکنان بھی شریک تھے۔ کنونشن کے آخر میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے بیداری شعور مہم کے دوران نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والوں کارکنان میں شیلڈز تقسیم کیں۔

7۔ چکوال

تحریک منہاج القرآن و پاکستان عوامی تحریک چک بھون چکوال کے زیر اہتمام 7 اکتوبر کو بیداری شعور عوامی اجتماع منعقد ہوا جس میں محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے خصوصی شرکت کی۔ سٹیج پر احمد نواز انجم نائب ناظم اعلیٰ منہاج القرآن انٹرنیشنل، علامہ محمد افضال احمد نائب ناظم دعوت تحریک منہاج القرآن، کوآرڈینیٹر راولپنڈی ڈویژن ملک مظفر خان، ساجد محمود کوآرڈینیٹر اسلام آباد، مرکزی سیکرٹری اطلاعات تحریک منہاج القرآن قاضی فیض الاسلام بھی موجود تھے۔ ضلعی قائدین حاجی عبدالغفور شیخ امیر تحریک منہاج القرآن ضلع چکوال و چوہدری نذر حسین منتظم اعلیٰ منہاج القرآن اسلامک سنٹر چک بھون نے مہمانان گرامی کا استقبال کیا۔ اس تقریب میں منہاج القرآن اسلامک سنٹر چک بھون کے فارغ التحصیل حفاظ کرام کی دستار بندی بھی کی گئی۔ پروگرام میں ہزاروں کی تعداد میں مرد وخواتین نے شرکت کی۔

اس موقع پر محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ انقلاب کیلئے تیاری کرنا آپ کا جبکہ آواز دینا قائد کا کام ہے۔ اس فرسودہ نظام سے تبدیلی کی امید نہیں رکھی جا سکتی۔ پاکستان میں حقیقی تبدیلی کیلئے نظام کو بدلنا ہوگا۔ ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے انتخابات سے قبل کے جو حقائق بیان کیے تھے آج وہ من وعن صحیح ثابت ہو رہے ہیں۔ عوام مہنگائی کی چکی میں پستی جا رہی ہے جبکہ موجودہ حکمرانوں نے عوام کو فقط سبز باغ ہی دکھائے۔

ڈاکٹر طاہر القادری نے لانگ مارچ کے دوران جو مطالبات پیش کیے تھے آج وہ ہر ایک کی آواز بن چکے ہیں۔ عوام کے سامنے اس کھوکھلی جمہوریت کا چہرہ فقط تین ماہ کے اندر بے نقاب ہوگیا ہے۔ ❁❁❁❁

بیداریٔ شعور مہم۔ محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کے ورکرز کنونشنز اور عوامی اجتماعات سے خطابات

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN
LAHORE
Regd CPL No.41

اَہلِ بیت اَطہار علیہم السلام اور شہادتِ اِمام حسین علیہ السلام پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصانیف

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری

کے علمی و عملی، اخلاقی و روحانی، تعلیمی و سائنسی، فقہی و قانونی، انقلابی اور فکری و عصری موضوعات پر

450 سے زائد کتب دستیاب ہیں